ماہنامہ
مجلہ
حیات نو
بلریا گنج

قربانی سرچشمۂ قوت

انسان میں جتنی بھی قوت آئی ہے قربانی سے آئی ہے انسان کچھ دے کر نہیں، پاس سے کچھ دے کر غنی تر ہو جاتا ہے وہ جتنا نقصان اٹھاتا ہے اتنا ہی نفع میں رہتا ہے جتنا کھوتا ہے اتنا ہی زیادہ پاتا ہے، درد اس کیلئے سامانِ صحت ہے، قید اس کیلئے ذریعہ آزادی ہے۔ اور مرنا اس کے لیے وجہ حیات ہے۔

(مودودیؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو
بلریا گنج

جلد: ۱۰ شوال، ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ
اپریل ۱۹۹۲ء
شمارہ: ۴-۵

مدیر مسئول	بدل اشتراک	
نور محمد فلاحی	سالانہ زر تعاون	۵۰ روپئے
مدیر	طلبہ کیلئے	۴۰ ″ ″
محمد اسمٰعیل فلاحی	خصوصی ″	۱۰۰ ″ ″
معاون مدیر	اعزازی ″	۱۰۰ ″ ″
عبدالباری فلاحی	غیر ممالک سے زر تعاون	۲۵ امریکی ڈالر
	قیمت فی شمارہ	۵ روپئے

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ
فون: ۱۹۹۴۰
۲۸۷۱۲
دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ (یوپی)
نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ ——— کتابت: محمد اشفاق عالم سنفاکی (دفتر حیات نو)

نعت
ماسٹر یسین حیدر مرحوم

اک مئے کا ادھر بھی دے ساقی کوئی پیمانہ — لذت سے ہوں جھکے وارفتہ و دیوانہ
پی کر جسے ہو جائے عاشق تیرا دیوانہ — کہتا پھروں اکبر سے دے پیمانہ و پیمانہ
سنتا ہوں کہ آیا تھا نہیں اچھا کوئی دیوانہ — یاد آئے جہاں رندوں کو وہ خواب کرشمہ
اس ذات گرامی میں وہ شان عظیمانہ — رحمت ہی کا پرتا ہے رہتے ہیں وہ مستانہ
آتا ہے نظر انکو وہ رنگ رحیمانہ — محبوب خدا کا ہو وہ عاشق و پروانہ
صد شکر تیری رحمت سے محروم نہیں کوئی — تو ساقی عالم ہے اے ساقی مستانہ
رکھتا نہیں پیمانہ اللہ کی یہ قدرت — حیدر تجھے کیا غم ہے اختر کا ہے پیمانہ
وہ شان عظیمانہ وہ داد کریمانہ — چلتا ہی رہیگا یہ تا آبادی میخانہ

غزل
انور ظہیری
شاہجہاں پور (یوپی)

چھوڑ دے بیکار کی باتوں سے کیا مل جائیگا — ظلم کو اپنے کئے کا خود صلہ مل جائیگا
خون کی ندیاں بہانے کا ہو جسکا مشغلہ — ایک دن اسکو لقب چنگیز کا مل جائیگا
ڈھونڈتے ہیں گا میکدوں میں رہا ہوں ابھی — ڈھونڈنے سے ایک دن کا پتہ مل جائیگا
اسکی آنکھوں کے اشارے سے دعا لینا حضور — راہ میں کوئی فقیر بے صدا مل جائے گا
کیوں نہیں ہنستا آ اسکا لاکے دیتی ہے مجھے — دل دکھانے سے تجھے کیا اے جفا مل جائیگا
ساتھ چلتے چلتے انور ختم سرحد ہو گئی — اب خدا جانے کہاں یہ راہ کا مل جائیگا

نقوش حیات نو

صفحہ

- **اداریہ**

یہ دور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے — محمد اسمٰعیل فلاحی — ۳

- **بحث و نظر**

قربانی پر اعتراضات کا ایک جائزہ — عبدالبر اثری فلاحی — ۸

ہم اور اصلاح معاشرہ — عطا عابدی — ۱۵

اسلامی انقلاب کا راستہ — صداقت حسین — ۲۰

ترکی میں احیائے اسلام کی کشمکش — انجم آرا فلاحی — ۳۲

- **فتاویٰ** — ۴۰

جدید مسائل — سید ذہد اصغر فلاحی

- **شعر و نغمہ**

نعت، غزلیں — ماسٹر یٰسین حیدر، انور ظہری، قمر ... تا ...

غزلیں — شفیع الشرف، ریاض احمد، احمد جنید ... تا ...

- **تعارف و تبصرہ** — ۴۴

سہ ماہی "پیغام" عمار سمینار نمبر — عبدالبر اثری فلاحی

- **جامعہ کے لیل و نہار** — ۴۶

مکاتب کے انسپکٹروں کا تربیتی کیمپ، نئے مستقر کے حقدار مولانا محمد عنایت اللہ صاحب سبحانی کو صدمہ — محمد اسمٰعیل فلاحی

- **اعلانِ عام** — محمد عمران خاں فلاحی تا ... سکریٹری انجمن۔

اداریہ — محمد اسماعیل فلاحی

یہ دور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے

حضرت ابراہیمؑ نے بت پرست اور مشرکانہ ماحول میں شعور کی آنکھیں کھولیں۔ یہاں حکمراں طبقہ مذہبی طبقہ کے ساتھ مل کر جس کا سربراہ اعلیٰ خود ان کا اپنا خاندان ہے، لوگوں کی گردنوں پر مسلط اور انا و لاغیری کا دعویدار ہے۔ گردنیں دبی جا رہی اور ٹوٹی پڑ رہی ہیں لیکن کسی کے اندر اس کے خلاف زبان ہلانے کا یارا نہیں، سب سلے ہوئے اور سر جھکے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا خاندان صرف پروہت ہی نہیں، ملک کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا تھا جو وہاں کے نظام شاہی میں سب سے بڑے شریک اور دخیل کی حیثیت رکھتا تھا۔ بادشاہوں کا عزل و نصب جس کی حمایت اور مخالفت پر موقوف تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ بادشاہ تو نہیں تھا، بادشاہ گر ضرور تھا۔ گویا ملک کی زمام کار بالواسطہ اسے حاصل تھی۔ سب سے بڑے مذہبی پیشوا آذر کی اولاد ہونے کے نتیجہ میں آذر کے بعد خود بخود یہ عہدہ و منصب بلکہ بہ الفاظ دیگر بالواسطہ ملک کی حکمرانی اور سیادت قدرتی طور پر ابراہیمؑ کو ملنے والی تھی۔

ابراہیمؑ ایک دوراہے پر کھڑے تھے۔ ایک طرف دنیا اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ عیش و طرب کے سارے سامان لیے ہوئے دعوتِ نظارہ دے رہی تھی۔ شاد اور حسین سے مستقبل آواز دے رہا تھا۔ کیا کچھ نہیں تھا اس راہ میں۔ دوسری جانب اس نظام سے بغاوت کا انجام اپنے کیریئر کو تباہ کرنا اور اپنے کو مصائب و آلام کے حوالہ کرنا تھا۔ اس موقع پر تاریخ کے اس بطل جلیل نے نہایت جوانمردی، اور بلند ہمتی کا فیصلہ کیا اور بزدلوں، وقت کے بندوں اور موقع پرستوں کی روش کو تج

سب کی ہے یہی تو اکثر حالات دیکھکر — میں نے دل و نگاہ پہ پہرے بٹھائے ہیں

نہیں اختیار کی۔ اس نے عراق کی مملکت سے بیں حدود رکھی، عراق کی امامت
کے بجائے، اس فضائے بیکراں میں ساری دنیا کی امامت بلند کی۔ اس نے سوچا وہ تھا؟
کیا جو لوگوں کے چہروں کو دیکھ کر اپنی زندگی کی سمت سفر متعین کرے، وہ جوان کیسا
جو حالات کے بدلتے تیور دیکھ کر گھبرا جائے۔ اس کا خون خون فاسد ہے۔ اگر اس کے
اندر گرمی اور حرارت پیدا نہ ہو سکے

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا وہ پھر لہو کیا ہے۔

حضرت ابراہیم نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی اور اس زور سے بلند کی کہ دشت
و جبل گونج اٹھے، کفر سے ڈرے نہیں، مرعوب ہوئے نہیں اور طیش میں آئے نہیں۔
طاقتور اعصاب اور مضبوط دل گردہ کے مالک کی طرح سوچا سمجھا معقول قدم اٹھایا۔
کفر کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا، نمرود اور نمرودیوں نے ان کو سازشیں کیں آگ کا الاؤ روشن
کیا اور چشم فلک نے وہ حادثہ دیکھا کہ آسمان اور زمین سناٹے میں آ گئے یعنی ع

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

پھر یہ صدائے دلنواز بلند ہوئی۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا	ہم نے کہا اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور
عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ	ابراہیم پر سلامتی بن جا انہوں نے ابراہیم
كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ	کے ساتھ چال چلنی چاہی تو ہم نے انہیں
(انبیاء ۶۹ - ۷۰)	گھاٹا اٹھانے والا بنا دیا۔

پھر ہجرت کا مرحلہ آیا، گھر بار، اعزہ و اقربا، عہدہ و منصب کسی چیز کی پرواہ
کی، صحرا کی خاک چھانتے، بے آب و گیاہ وادی مکہ پہنچے اور بیوی کو تنہا خدا کے حکم
پر، خدا کے بھروسہ چھوڑا۔ دوبارہ جب مکہ آئے تو اسمٰعیلؑ سن شعور کو پہنچ چکے
تھے۔ اب آخری امتحان درپیش تھا۔ ع گزری تھی اسی دشت کی سیاحی میں لیکن
ابھی اور امتحان باقی تھا۔ اس بیٹے کو ذبح کرنے کا اشارہ خداوندی ہوا جو کتنی دعاؤں اور
کتنے ارمانوں کے بعد پیدا ہوا تھا اور جو اکلوتا بھی تھا۔ اور جھٹ اس کی تعمیل کے لئے تیار

ہو گئے۔ بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دی۔ اللہ اکبر! کتنا عظیم تھا یہ امتحان اور کیسی عظیم
تھی یہ قربانی! اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی قربانی کے عوض حضرت اسمٰعیلؑ کی جان بچائی
ہم اسی قربانی کی یاد میں ہر سال قربانی کرتے ہیں۔ بطور علامت جانور کو ذبح
کرتے ہوئے ہم اسی عزم کا تو اظہار کرتے ہیں کہ ہم اپنی ہر چیز قربان کرنے کیلئے تیار
ہیں، یہاں تک کہ جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے کا موقع آئے گا تو ہم بے دریغ اسے
بھی پیش کر دیں گے۔ بنی اسرائیل کی طرح

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ	جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں
اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ	جنگ کرو بیشک ہم یہاں بیٹھیں گے
(المائدہ / ۲۵)	

ہمارا جواب نہیں ہوگا بلکہ ہمارا وطیرہ تو

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ	کہہ دو بیشک میری نماز اور میری قربانی
وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ	میری زندگی اور میری موت اللہ رب
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	العالمین کے لئے ہے۔
(انعام / ۱۶۲)	

ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑا ہے تب انہیں مسلم
ہونے کا خطاب ملا ہے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ	جب ان دونوں نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا
(صافات / ۱۰۳)	اور ابراہیم نے اسمٰعیل کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا تو...

قربانی کا جانور خریدتے وقت جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جانور کیسا ہے، سینگ ٹوٹی تو نہیں
یا کوئی اور عیب تو نہیں۔ ہمیں اپنے ایمان اور تقویٰ کا ضرور جائزہ لینا چاہئے کہیں ایسا
تو نہیں ہمارا ایمان لنگڑا لولا اور ہمارا تقویٰ اپاہج ہو۔ خدا کے نزدیک اصل اہمیت
جذبۂ دل کی ہے۔ جانور کی قربانی سے بڑھ کر ایمان اور تقویٰ کی قربانی مطلوب ہے
لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا — اللہ کو ہرگز نہیں پہنچتا ان کا گوشت اور

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ — نہ ان کا خون، بلکہ تمہارا تقویٰ اسے پہنچتا ہے۔

(حج ۳۷)

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی دعوت، جہاد اور قربانی سے عبارت ہے جس کی یاد سے ہر سال ہم ذی الحجہ میں — جو ہمارے سن ہجری کا آخری مہینہ ہے — اپنے سینوں کو معمور کرتے ہیں۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ سن ہجری کی ابتدا محرم سے ہوتی ہے جس میں حضرت حسینؓ کی داستانِ عزیمت و جہاد ہمارے سامنے آتی ہے۔ سال کی ابتدا بھی قربانی کا درس لیے ہوئے اور انتہا بھی اس کی داستان سمیٹے ہوئے۔

واقعہ یہ ہے کہ قربانی زندہ قوموں کی زندگی کا راز اور ان کی زندگی کا شعار ہے۔ وہ لوگ جو اصولوں کی خاطر جیتے اور مرتے ہیں وہ بقائے دوام حاصل کرتے ہیں اور جنہیں صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی اور جن کی نظر صرف اپنے مفاد پر ہوتی ہے، ایسے لوگوں کا تاریخ میں کوئی مقام نہیں ہوتا۔ قوموں کو زندہ رکھنے کیلئے کچھ جوانمردوں کو قربان ہونا پڑتا اور بنیاد کی اینٹیں بننا ہوتا ہے۔ بلند و بالا محل لوگوں سے داد و تحسین وصول کرتے ہیں۔ لوگ ان کی بلندی کو دیکھتے اور حیرت کرتے ہیں لیکن انہیں کیا پتہ لوگوں کی نگاہوں سے مستور اور ان کی داد و تحسین سے بے پروا بنیاد میں دفن اینٹیں نہ ہوتیں، اور ان اینٹوں نے اپنے کو قربان کرنا گوارا نہ کیا ہوتا تو پھر عمارت کی بلندی تو کیا عمارت کا وجود بھی محال ہوتا۔

یہی حال اقوام و ملل کا ہوتا ہے۔ ذرا سوچئے تو بجز کلفت، پریشانی، بھوک، پیاس، اور خاک و خون میں لوٹنے اور تڑپنے کے حمزہؓ و بلالؓ، عمارؓ و یاسرؓ کے حصہ میں کیا آیا، اور بدر و احد کے شہیدوںؓ نے کیا پایا۔ لیکن کیا اگر یہ بنیاد کی اینٹیں نہ بنے ہوتے، انہوں نے اپنے سروں کا نذرانہ پیش نہ کیا ہوتا تو کیا اسلامی سلطنت کی عظیم عمارت کھڑی ہو سکتی تھی، اور کیا دنیا ایسے عظیم عہد زریں کا نظارہ کر سکتی تھی اور کیا وہ سب کچھ ہو سکتا تھا جو بعد میں ممکن ہوا۔

لوگوں کو کیریر کی بڑی فکر ہوتی ہے۔ کیریر بنانے کے لئے یونیورسٹیوں کی طرف دوڑتے اور خلیج کا رخ کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں حضرت ابراہیمؑ سے بڑھ کر کس کا کیریر تابناک ہے۔ بیٹا ذبح کے لئے تیار ہو گیا۔ ہے کوئی جو اس بیٹے کے کیریر کا مقابلہ کر سکے؟ کیریر ایسے لوگوں کا بنتا ہے جو اصولوں کا سودا نہیں کرتے۔ جن کی زندگی اصولوں کی خاطر ہوتی ہے اور جو اپنے اصولوں کی خاطر اپنی خواہشات اور جان و مال ہر چیز قربان کر ڈالتے ہیں۔ لوگوں کی گردنیں ان ہی کے آگے جھکتی، دلوں میں انہی کی حکومتیں قائم ہوتی ہیں اور ایک عالم انکی موت پر روتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو مقصدِ جہاد میں اگر اکٹھا ہو جائیں تو ایک انقلاب عظیم برپا ہوتا ہے، یہ ایک طوفان بن جاتے ہیں جن کے مقابلہ میں مفاد پرستوں کا جم غفیر نہیں ٹھہر سکتا، یہی چٹان ثابت ہوتے ہیں جس سے ٹکرانے والا اپنا سر توڑ لیتا ہے لیکن اس کا کچھ بگاڑ نہیں پاتا۔ یہی ہیں وہ جن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ
فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ
مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔

بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے
بڑی جماعت پر اللہ کے اذن سے

(بقرہ / ۲۴۹)

آج بھی بتکدہ آذر شعلے اگل رہا ہے۔ الحاد و بت پرستی کا گٹھ جوڑ ہے۔ ارباب اقتدار نے کلیسا سے ہاتھ ملا رکھا ہے۔ کسی خلیل بت شکن کا انتظار ہے۔ پھر

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

عبدالبر اثری فلاحی

قربانی پر اعتراضات کا ایک جائزہ

اسلام دشمن طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو محاذ کھول رکھے ہیں ان میں سے ایک اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانا اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ بھی ہے تاکہ مسلمانوں کو دبایا جا سکے اور صاف ستھرا ذہن رکھنے والوں کو متنفر کیا جا سکے۔ من جملہ ان امور کے ایک اہم معاملہ "قربانی" بھی ہے۔ جسے بعض بد قماش چار قدم اور آگے بڑھ کر مطلق "گوشت خوری" کا عنوان دے کر کلام کرتے ہیں۔ ان دنوں پھر ملک کے مختلف گوشوں سے اس مسئلہ کو زور و شور سے اٹھایا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں ان کے جو اعتراضات ہیں ان کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ حقیقت حال لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے۔

سب سے پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح ہم جان رکھتے ہیں اسی طرح تمام جانور جان رکھتے ہیں۔ ان کو اس طرح ذبح کرنا، ان کا گوشت کھانا یا انکی قربانی کرنا ان پر ظلم ہے کیونکہ اس سے انہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ انسانی جذبہ رحم کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔ کیونکہ "جیو ہتیا" کسی مذہب میں پسندیدہ نہیں۔

اس پر دوسرا اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے نسل کشی ہوتی ہے۔ کیونکہ جن جانوروں کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے یا جن کی قربانی کی جاتی ہے وہ سال بھر برابر ذبح کئے جاتے ہیں۔ پھر یہ کہ ایام قربانی میں تو بیک وقت اتنی تعداد میں قربانی کی جاتی ہیں کہ اس کی وجہ سے نہ صرف ان کی نسل کی بقا خطرے میں پڑ جاتی ہے بلکہ مہنگائی بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور بے تحاشا خون بہنے کی وجہ سے فضائی آلودگی بھی پیدا ہوتی ہے جو انسانوں کی صحت پر مضر اثرات ڈالتی ہے۔

اسی ضمن میں انکا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عید قرباں کے موقع سے جس قدر

قربانی کی جاتی ہے وہ اسراف اور فضول خرچی کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ اسوقت انسانوں کو اس قدر گوشت کے استعمال کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ کافی مقدار میں وہ ضائع جاتا ہے۔ کیا اسی رقم سے غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر دی جائے تو کیا اس سے اچھا کام نہیں ہوگا؟

ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں ایک چوتھا اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اس سے باہمی منافرت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم گائے کی قربانی کرتے ہیں، حالانکہ اسے دوسروں کے یہاں "مذہبی تقدس" حاصل ہے گویا ہم ان کے "مذہبی تقدس" کو پامال کر کے ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ان تمام اعتراضات کے جواب سے پہلے ایک اہم بات کی طرف نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ صحیح بات سمجھنا آسان ہو جائے۔

جانوروں کے ذبح یا گوشت خوری کے خلاف جس قدر واویلا مچایا جاتا ہے دراصل یہ ایک مخصوص ذہن کی پیداوار ہے اور اس کا ایک مخصوص پس منظر ہے۔ یہ نیک نیتی اور جانوروں سے ہمدردی کی وجہ سے نہیں کیا جاتا۔ بلکہ صرف اور صرف گاؤکشی بند کرانے کی غرض سے یہ سب اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں ورنہ صورت حال یہ ہے کہ جو لوگ جانوروں پر ظلم کرنے کی بات کرتے ہیں وہ خود اس میں ملوث ہیں اور ایسا کرتے ہیں۔ کون ہیں جو جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے — بس فرق یہ ہے کہ وہ گائے کے علاوہ بکری، مرغ وغیرہ کو ذبح کرتے اور ان کا گوشت کھاتے اور مسلمان گائے کو بھی ذبح کرتا اور ان کا گوشت کھاتا ہے لیکن نفس کام یعنی ذبح کرنا اور گوشت کھانا تو ہر ایک کرتا ہے پھر آخر گائے کے علاوہ دوسرے جانوروں کو ذبح کرتے وقت انہیں کیوں خیال نہیں ہوتا کہ وہ جانوروں پر ظلم کیوں کر رہے ہیں؟ ان کا جذبہ رحم کہاں چلا جاتا ہے؟ کیا گائے کے علاوہ دوسرے جانوروں کو تکلیف نہیں پہنچتی! کیا گائے کے علاوہ دوسرے جانوروں کو ذبح کر کے کھانا "جیو ہتیا" نہیں ہے!

رہی بات تکلیف کی تو اس سلسلے میں اسلام کی واضح ہدایات ہیں کہ اس طرح

ذبح کریں کہ انہیں زیادہ تکلیف نہ پہنچے چنانچہ چھری تیز کر لینے، ذبح کی کارروائی میں جلدی کرنے وغیرہ کی تعلیمات اسی پہلو کو مدنظر رکھ کر دی گئی ہیں۔

رہا دوسرا اعتراض تو اس سلسلے میں یہ منطق سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم ذبح کریں اور کھائیں تو نسل کشی ہوگی وہ ذبح کریں اور کھائیں تو نسل کشی نہیں ہوگی؟ آخر اس تفاوت کے لئے کون سی دلیل ہے؟ جب کہ صورت واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے یعنی یہ کہ جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے اس قدر مسلسل استعمال کے بعد بھی اب تک ان کی نسل کشی نہیں ہو سکی بلکہ اگر جائزہ لیں تو آپ اس نتیجے پر پہونچیں گے کہ جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے وہی زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں اور جن کو نہیں کھایا جاتا وہ کم تعداد میں پائے جاتے ہیں وجہ ظاہر ہے کہ خالق کائنات نے ان جانوروں کی افزائش زیادہ رکھی ہے جنہیں کھایا جاتا ہے اور ان کی کم رکھی ہے جنہیں نہیں کھایا جاتا۔

اس موقع پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آخر یہ جانور پیدا کس غرض سے کئے گئے ہیں۔ بعض دنیا میں چرنے کھانے کیلئے یا یہ کہ ان کو پیدا کرنے کی کوئی اور غرض و غایت ہے، اور وہ غرض و غایت کیا ہے؟ جب تک کہ اس کا جواب نہیں ڈھونڈھ لیا جاتا اس وقت تک جانوروں کا مصرف متعین کرنا مشکل ہے۔ اوروں کے یہاں کیا غرض و غایت ہے واضح طور پر تو کہیں نہیں ملتا۔ البتہ کچھ اشارات ضرور ہیں کہ یہ سب کچھ انسانوں کی منفعت رسانی کے لئے ہیں۔ بہر حال ہدایات جو کچھ بھی ہوں۔ ان کا عمل اسی اصول کے مطابق ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ان جانوروں سے خوب سے خوب اور مختلف انداز میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور مصرف ان کے یہاں عملاً نہیں ہے۔

رہا اسلام تو اس نے واضح طور پر یہ اعلان کیا ہے کہ دنیا کی ساری چیزیں اللہ نے انسانوں کی خاطر پیدا کیا ہے اور شرعی حدود کے اندر وہ ہر ایک سے جس قدر ضرورت ہو فائدہ اٹھائیں۔

اسی تناظر میں جب آپ دیکھیں گے تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ان کا گوشت پوست استعمال کر کے ان کو واقعی صحیح مصرف میں لایا جا رہا ہے، ورنہ پھر ان کے وجود

کا کیا حاصل؟ اگر انہیں انسان اپنی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے استعمال نہ کر سکے؟ جب کہ انسان مختلف پہلوؤں سے ان جانوروں کے گوشت پوست کے استعمال کا محتاج ہے اس ضمن میں درج ذیل پہلوؤں پر نظر رکھنی بھی انتہائی ضروری ہے۔

انسان کی صحت و توانائی کے لئے بعض ایسے وٹامنس کی ضرورت ہے جو گوشت کے علاوہ اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتے، اگر وہ نہ کھائیں تو کیا وہ جان کو خطرے میں نہ ڈالیں گے۔ پھر آپ ہی بتائیں کہ ایک انسان کی جان عزیز ہے یا ایک حیوان کی؟

وہ علاقے جہاں پیداوار نہیں ہوتی وہاں جانوروں ہی پر گذارا ہوتا ہے اگر یہ ممنوع ہو جائے تو پھر وہ کیسے زندہ رہیں گے۔

بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر غذائی مسئلہ ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے جانوروں کا استعمال اس مسئلہ کو حل کرنے میں انتہائی مددگار ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس سے بھوکوں کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں ایک قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں، فیملی پلاننگ اور مانع حمل دوائیں عام کی جا رہی ہیں، تاکہ آبادی نہ بڑھے۔ اس طرح انسانوں کی جو نسل کشی کی جا رہی ہیں کیا یہ اس سے بڑا ظلم نہیں ہے جو جانوروں کو ذبح کرتے وقت انہیں نظر آتا ہے؟ اس طرح انسانی نسل پر بند لگاتے ہوئے ان کا جذبہ انسانیت کہاں مر جاتا ہے؟ اس مسئلہ کے حل میں انتہائی معاون تدبیر جانوروں کے گوشت کا استعمال انہیں کیوں نہیں بھاتا ہے؟

رہی فضائی آلودگی کی بات تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جب انہیں استعمال نہیں کیا جائے گا اور وہ کافی تعداد میں موجود رہیں گے تو کیا ان کے فضلے وغیرہ سے فضا آلودہ نہیں ہوگی؟ اسی طرح ایک قابل لحاظ پہلو یہ ہے کہ قربانی اور عام استعمال کی صورت میں تو ان کے بدن کے بہت سے اجزاء استعمال ہوتے ہیں اور ان سے فضا آلودہ ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ لیکن یہی جانور جب استعمال نہ کئے جائیں اور پھر کافی تعداد میں فطری موت مریں، سڑیں گلیں کیونکہ نہیں مرنے کے بعد عام طور سے استعمال میں نہیں لایا جاتا اور نہ ہی دفنایا یا جلایا جاتا ہے

تو پھر آپ ہی بتائیں کہ کیا اس بھاری سرانڈ سے فضا آلودہ نہیں ہوگی؟ اور کیا اس فضائی آلودگی کی مقدار پہلے سے کم ہوگی؟

ان کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عید قرباں کے موقع سے اس قدر زیادہ قربانی کی جاتی ہے کہ گوشت ضائع جاتا ہے کیا اسی کے بدلے اس رقم کو غریبوں کی امداد میں خرچ کیا جائے تو ایسا کرنا اس سے بہتر نہیں ہوگا؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے بنیادی طور پر یہ سمجھ لینا انتہائی ضروری ہے کہ قربانی کی غرض و غایت کیا ہے؟ قربانی سے مقصود غریبوں کی غذائی ضروریات کو پورا کرنا ہے یا یہ کہ اس سے مقصود اللہ کے بے پایاں احسانات پر اظہار تشکر ہے۔ اور اس بات کی شہادت دینا ہے کہ ضرورت پڑنے پر ہم اسی طرح اپنی جانوں کو بھی قربان کر دیں گے جس طرح کہ آج ان جانوروں کو ذبح کر رہے ہیں۔ اگر مقصود محض غذائی ضروریات کی تکمیل ہے تو یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جانوروں کو بلا ضرورت ذبح کرنے کے بجائے۔ اسی رقم سے غریبوں کی امداد کر دی جائے۔ کہ اس سے بھی ان کی اہم ضرورتیں پوری ہو جائیں گی لیکن اگر مقصود اظہار تشکر اور جذبہ جاں سپاری پیدا کرنا ہے تو یہ اہم مقصود اس رقم کو غریبوں میں تقسیم کرنے سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جبکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ قربانی سے اصل مقصود یہی جذبہ جاں سپاری پیدا کرنا ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک اسی کی اصل اہمیت ہے گوشت پوست کی کوئی اہمیت نہیں ہے

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج ۳۰)	نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ خون مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ایسا کرنا اسراف نہیں ہے کیونکہ اسراف یا تو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں یا غلط طریقے سے خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ اور قربانی کا یہ عمل ان دونوں میں سے کسی بھی زمرے میں نہیں آتا اس لئے کہ مطلوبہ جذبہ پیدا کرنے کے لئے جس قدر ذبح کرنا ضروری ہے اللہ نے

ادا ہی کرنے کا اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور جس طریقے سے کرنے کے لئے کہا ہے اسی طرح یہ کام انجام پاتا ہے اس سے سرمو انحراف نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ انحراف کی صورت میں وہ مقبول بارگاہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ جس نے ہمیں جانور دیئے ہیں اسی نے ہمیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ انہیں استعمال کرو اس حکم کے پیچھے اس کی کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ یہ وہی بہتر جانتا ہے ان کا احاطہ ہمارے لئے ممکن نہیں۔ بس ہم کچھ ظاہری امور کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لیکن ہم اس حکم کو رد کر سکتے ہیں اور نہ اس سے سرمو انحراف کر سکتے ہیں۔ البتہ اس کی حکمتوں پر غور کر سکتے ہیں، چنانچہ آپ غور کریں تو مندرجہ بالا روحانی فائدے کے علاوہ اور بھی بہت سے دوسرے فوائد آپ خود محسوس کریں گے مثلاً جانور پالنے والوں کی اقتصادیات مضبوط ہوتی ہیں۔ عام انسانوں کی غذائی ضرورت پوری ہوتی ہے۔

چوتھا اعتراض جو ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں کیا جاتا ہے۔ یہ کہ گائے کی قربانی سے باہمی منافرت پیدا ہوتی ہے کیونکہ اسے دوسروں کے یہاں "مذہبی تقدس" حاصل ہے اور اسی لئے ان کے یہاں گائے ذبح کرنا ممنوع ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ عرض ہے کہ دوسروں کے یہاں اسے کلیۃً "مذہبی تقدس" حاصل نہیں ہے بلکہ صرف بعضوں کے یہاں اسے "مذہبی تقدس" حاصل ہے دوسرے یہ کہ ان سب کے باوجود ان کے یہاں گائے کا گوشت کھانا جائز ہے کیونکہ ان کی مذہبی کتابوں میں ایسا کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور قدیم زمانے میں ان کے یہاں اسے کھانے کا رواج رہا ہے۔ مثلاً رگ وید کے دواہ سوکت (۱۰/۸۵) میں شادی کی تقریب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"دولہا اور بارات کے لوگ دولہن کے گھر جاتے تھے یہاں دولہن بارات کے ساتھ مل کر کھانا کھاتی تھی مہمانوں کو اس موقع پر گایوں کا گوشت پیش کیا جاتا تھا" (۱۰/۸۵/۱۳) اسی طرح مہابھارت میں لکھا ہے۔

"ایک دن راجا رنتی دیو کے یہاں بہت سے مہمان آگئے لہٰذا اس نے ۲۰۱۰۰ گائیں ذبح کیں"

(شانتی پرو باب ۲۹ شلوک ۱۲۹)

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں گائے کے گوشت کی ممانعت بہت بعد میں ہوئی ہے جو برہمنوں نے کی ہے اور یہ بھی دراصل ان کے اور بودھوں کے درمیان کشمکش کے نتیجہ میں ہوئی ہے۔

اور بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ ان کے یہاں اسے "مذہبی تقدس" حاصل ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ دوسروں کے یہاں بھی اسے وہی اہمیت حاصل ہے اور وہ دوسرے بھی اس کے ساتھ وہی رویہ اپنائیں جو اسے "مذہبی تقدس" دینے والوں کا رویہ ہے پھر یہ کہ اسی بنیاد پر اگر اس کا استعمال ممنوع سمجھ لیا جائے تو اس طرح دنیا کی تمام چیزوں کا استعمال عملاً ممنوع ہو جائے گا کیونکہ دنیا کی وہ کون سی چیز ہے کہ جنہیں ان کے یہاں "تقدس" نہیں حاصل ہے اور جنہیں کہ وہ اپنا معبود بنا کر نہیں پوجتے ہیں، پھر تو ساری چیزوں سے باز آجانا چاہیئے۔

غزل

قمر رسولپوری، زمین رسولپور، اعظم گڑھ

(معریٰ)

عیب اپنے ہی اندر کے نہ دیکھے تو نظر کیا
دیکھا نہ گریباں میں دیکھے ہے اُدھر کیا

کیا اس کو ڈرائیں گے یہ طوفانِ حوادث
ڈر جس کو خدا کا ہے اسے موت کا ڈر کیا

یہ خشت ہی قسمت ہے تو وہ سنگِ ملامت
اب ہونے لگا عشق کے نالوں میں اثر کیا

ہے ناز نہیں حرفِ تسلی کے ہنر پر
جو ضرب کبھی نہیں دکھتا وہ ہنر کیا

لے جائیں گے ہر حال میں ساحل پہ سفینہ
ہوتا ہے تلاطم یہ حوادث یہ بھنور کیا

ہے عزم کہ سو بار بنائیں گے نشیمن
پھر آکے بچا لیں گے کیا برق و شرر کیا

دنیا کی حقیقت پہ جو مائل نہیں ہوتے
پھر راہ انہیں کوئی دکھائے بھی تو کیا

عطا عابدی

ہم اور اصلاحِ معاشرہ

حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی مکمل صورت گری ہمارا انفرادی عمل بھی ہونا چاہیئے اور اجتماعی بھی ــــ

معاشرہ یا سماج نام ہے فرد کے مجموعہ کا۔ فرد وہ اینٹ ہے جس کی مناسب ترتیب و تنظیم سے کسی معاشرہ کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہ اینٹیں (افراد) جتنی مضبوط، پائیدار اور خوبصورت ہوں گی، عمارت بھی اسی قدر مضبوط، پائیدار اور خوب صورت ہوگی واضح لفظوں میں اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ معاشرہ کی اچھائیاں و برائیاں، تعمیر و تخریب، بلندی و پستی اور حسن و قبح کا انحصار فرد پر ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ اصلاحِ معاشرہ کی کوششیں اس وقت تک بے سود ثابت ہوں گی جب تک کہ اصلاحِ فرد کی طرف توجہ مرکوز نہ کی جائے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اصلاحِ فرد کا مطلب خود اپنی ذات کی اصلاح ہے۔ چونکہ اصلاحِ فرد سے ہی اصلاحِ معاشرہ ممکن ہے لہٰذا اسے یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ اصلاحِ فرد ہی اصلاحِ معاشرہ ہے۔

کسی بھی معاشرہ میں پائے جانے والے فساد اور خرابیوں کا مطلب ہے کہ اس معاشرہ کی تشکیل کے لازمی عنصر (فرد) میں فساد اور خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ کا مطلب ہے معاشرہ کو فساد اور خرابیوں سے بچانا، افراد کے غلط افعال کی درستگی کے لئے اقدامات کرنا، غلط رسوم و رواج کے مضر اثرات سے لوگوں کو اس طرح عبرت دلانا اور واقف کرانا کہ آئندہ اس قسم کی غلطی کا احتمال نہ رہے، خود ساختہ اصولوں اور ضابطوں کی تصحیح و تردید کر کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی تلقین کرنا اور رغبت دلانا، انسانوں کے بھٹکے ہوئے کارواں کو چلچلاتی دھوپ اور سنگلاخ راہوں سے متنبہ کرنا ــــ جاری کوششیں برسوں سے جاری ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ کے لئے

اپنی قوتوں کو استعمال کرنے کا جذبہ بھی ہم میں موجزن ہے لیکن اس کے باوجود نتیجہ صفر نہیں تو مایوس کن ضرور ہے۔ جھوٹ، دغابازی، چوری، فریب، غیبت، چغل خوری، لڑائی جھگڑے، تعصب و حسد، بے جا فخر اور غرور جیسے اخلاقی معائب آج ناسور بنتے جا رہے ہیں۔ خدا سے بے نیازی و بے خوفی، نحوت، فرض یا فرائض اور واجبات و سنتوں سے انحراف پر ہمیں کوئی ندامت محسوس نہیں ہوتی۔ ہماری عبادات، معاملات اور اخلاقیات پر آج دنیاوی ہوس، اقتدار اور عیش پسندی کے سیاہ پردے پڑتے جا رہے ہیں۔ عفو و حلم، انکساری، حیا و وقار، سنجیدگی، ایفائے عہد، تواضع، قناعت، میانہ روی، عدل و مساوات اور ایمانداری کی جگہ آج خود پسندی، خود نمائی، تکبر، تنگ ظرفی، خود غرضی، ابن الوقتی، بخل، تنگ دلی، بے غیرتی، تصنع، نفاق اور اسراف کو خوبصورت لفظوں میں جواز فراہم کرنے کا عمل جاری ہے۔ اصلاح معاشرہ کی ضرورت کا شدید احساس آج ہر درد مند اور باشعور فرد کو ہے۔ اصلاح معاشرہ کے لئے کانفرنسوں، جلسے جلوسوں، نشستوں اور اجتماعات کے مسلسل انعقاد کے باوجود ہم اپنی ذات کی طرف نہیں دیکھ پاتے کہ خود ہم (فرد) ہی میں اصلاح کی کتنی ضرورت ہے۔ "اپنی اصلاح آپ" جیسے زریں اصول سے چشم پوشی کا یہ رجحان اصلاح معاشرہ کی کوششوں کے مثبت نتائج سامنے لانے میں ناکام ثابت ہو رہا ہے۔

محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معاشرہ میں آنکھیں کھولیں وہ معاشرہ تمام برائیوں اور غلط کاریوں کی آماجگاہ تھا۔ ظلم و زیادتی، قتل و غارت گری، شراب نوشی و زناکاری، اور وحشیانہ رسومات .... وغیرہ اخلاقی و سماجی جرائم کا دور دورہ تھا۔ معاشرہ کی اس بدترین صورت حال کی مثال شاید ہی ماضی کے کسی دور میں مل سکے۔ لیکن حضور اکرمؐ نے اپنے قول و عمل سے اس معاشرہ کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ آج اگر ہم اپنے معاشرہ کو تمام موجودہ خرابیوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو صرف اور صرف پیغام ربانی اور ارشادات نبویؐ کو ہی مشعل راہ بنانا ہوگا بصورت دیگر ہماری تمام کوششیں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہوں گی جیسا کہ آج ہو رہی ہیں۔

معاشرہ کی اخلاقی تباہی کے سبب آج ہماری زندگی ایک عذاب اور مستقل مسئلہ بن گئی ہے۔ اسلام کا فرمان ہے کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اس لحاظ سے بھی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کے لئے خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہے۔ وہ اس کی تکلیف میں ہمدرد و معاون بن کر سامنے آتا ہے لیکن آج ہم ان بنیادی انسانی اوصاف سے بھی تہی دامن نظر آتے ہیں۔ عدل و مساوات ہر اچھے اور پرامن معاشرہ کے لئے اساسی اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن ہم نہ تو دوسروں کے ساتھ عدل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نہ خود اپنی ذات ہی کے ساتھ۔ نہ دوسروں کو اپنے برابر سمجھتے ہیں اور نہ خود کو دوسروں کے برابر۔ حالانکہ عدل و مساوات کے لازمی تقاضے کے تحت سبھی فرد کے سماجی و اخلاقی حقوق و فرائض یکساں ہیں۔ عدل و مساوات کے اسی تقاضے کو تقویت دینے کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جو دوسروں کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

جس معاشرہ میں عدل و مساوات قائم نہیں ہوتے وہ معاشرہ نہ تو خوشحال ہو سکتا ہے اور نہ مہذب کہلانے کا حقدار۔ عدل و مساوات کا یہ معیار سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ لیکن افسوس ایسا عملی طور پر بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ غریبوں اور کمزوروں کے لئے عدل کا معیار کچھ ـــ اور ـــ امراء و بااثر طبقے کیلئے عدل کا معیار کچھ اور ہوتا ہے۔ مساوات کو اس کی روح کے ساتھ معاشرہ میں نافذ نہ کرنے اور عدل کی خود ساختہ تشریح کرنے کے سبب آج ہر فرد کا ایک دوسرے پر سے اعتماد و اعتبار اٹھتا جا رہا ہے۔ اعتماد و اعتبار کے اس بحران کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپسی خلوص و الفت اور یگانگت اب ایک دوسرے سے بدگمانی اور شدید منافرت کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔

اصلاح معاشرہ کے لئے سماج کے معقول تعلیم یافتہ اور دینی علوم کے ماہرین پر ہی اصلاً ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اصلاح معاشرہ کی تحریک کے علمبردار حضرات بھی آزمائش کے وقت کوئی نہ کوئی حیلہ تلاش کر لیتے ہیں۔ یعنی وہ خود اپنے ساتھ

عدل نہیں کر پاتے۔ عدل و مساوات کا دوسرا معیار جہاں معاشرہ میں بدگمانی اختلافات اور تنازعات کو ابھارتا ہے، وہیں معاشرہ کو مزید کئی ایک اخلاقی بیماریوں سے دوچار کرنے کا موجب بھی بنتا ہے۔

اصلاح پسند طبقہ ہر معاشرہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ اصلاح پسند طبقہ خود بھی محتاجِ اصلاح ہوتا ہے۔ اگر تمام اصلاح پسند طبقہ اصلاح یافتہ طبقہ بن کر سامنے آئے تو معاشرہ پر مثبت اثرات سو فیصد پڑ سکتے ہیں جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے، فرد کی اصلاح معاشرہ کی اصلاح کی پہلی اینٹ ہے۔ اس پر توجہ کرکے اپنی آواز کو پر اثر بناتے اور لوگوں کے دلوں میں اتر جانے کا گر سیکھا جا سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کردار و عمل کا پیغام دیا خود آپ اس پر عمل پیرا رہے۔ ہمیں بھی اسی طرز عمل کی تقلید کرنی چاہیے اپنے قول کے مطابق عمل پیش کرکے ہی اپنے مصلح ہونے کے منصب کے ساتھ ہم انصاف کر سکتے ہیں۔

ہمیں اپنے علمائے کرام سے بھی مخلصانہ شکایت ہے۔ آج طبقۂ علماء اپنے اعمال و افعال کے درمیان اس قدر فاصلہ پیدا کرتا جا رہا ہے کہ اسے دیکھ کر عام آدمی حیرت زدہ ہی نہیں بلکہ احتجاج پر بھی مجبور ہوتا ہے۔ یہاں یہ کہنا کہ علماء کو بھی اصلاح کی ضرورت ہے چھوٹا منھ بڑی بات ہوگی۔ اس کے باوجود ہم طبقۂ علماء کو یہ کڑوا گھونٹ پلانا پسند کریں گے کہ ان کی ذمہ داری ایک عام فرد سے کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ معاشرہ میں پیدا شدہ خرابیوں کے سدباب کے لئے اگر ہمارے علماء عملی نمونہ بن کر سامنے آئیں تو یقین ہے کہ بغیر کسی کانفرنس، میٹنگ اور جلسے جلوس کے بھی معاشرہ کی بہت سی خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ شادیوں میں جہیز کے لین دین کا معاملہ ہو یا دیگر رسومات کی موجودگی، آج ہمارے علماء کی اکثریت بھی اس کی شکار نظر آتی ہے۔ اپنی اس بے عملی یا بد عملی سے علماء خود کو دوہری گرفت کا مستحق بنا لیتے ہیں۔ ایک تو اپنی غلط روش کی وجہ سے اور دوسرے اپنے عمل سے معاشرہ کے دیگر افراد کے لئے غلط نمونہ پیش کرنے کے سبب۔

علماء کی بے عملی کا رونا رو کر عموماً عام افراد اپنی کوتاہی اور غلطی پر پردہ ڈالنے کی

روایت قائم کر لیتے ہیں۔ ایسے افراد علماء کی غلط تقلید کے سبب گمراہ ہو کر رہ جاتے ہیں جب کبھی کسی غلط رویے پر انگشت نمائی کی جائے تو کہیں گے "فلاں فلاں علماء نے بھی یہی کیا ہے" یہ کہنا دراصل ایک بہانہ اور اپنے آپ کو فریب دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ کسی کی تقلید کے لئے شریعت کو پیش نظر رکھنا چاہیے نہ کہ کسی کے غلط عمل کو۔ جب یہ ہمیں معلوم ہے کہ متعلقہ معاملہ میں شریعت کا کیا حکم ہے، تو پھر کسی کے غلط عمل کو جائے تقلید بنانا کہاں کی دانشمندی ہے؟ تقلید و تردید کا معیار قرآن و احادیث کے احکامات و ارشادات ہیں نہ کہ کوئی عالم، صوفی یا بڑے بزرگ کا عمل۔

اصلاح معاشرہ کی کوششیں اپنی ذات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر بھی کرتے رہنا چاہیے۔ تمام غلط رسوم و بدعات سے کنارہ کشی کرکے ہم کو خود اصلاح یافتہ فرد بننے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ معاشرہ کا تقریباً ہر فرد، چند ایک کو چھوڑ کر کہ ان کے پیش نظر ہماری اصلاح کا مرکز بس دنیاوی مفاد تک محدود ہے، اصلاح پسند ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود معاشرہ اصلاح طلب ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم شخصیت کی تعمیر اور معاشرہ کے افراد کی ذہن سازی کے لئے خود کو مخاطب نہیں بناتے، قول پر اکتفا کرتے ہیں، اپنے کو عمل کا مکلف نہیں سمجھتے اور تحفظ ذہن سے کام لیتے ہیں، جس سے ہماری باتوں میں وہ وزن اور وقار نہیں رہتا جو کسی معاشرہ کی اصلاح کے لئے لازمی ہے۔ اصلاح معاشرہ کی تحریک میں نوجوانوں کو ہراول دستہ کا کردار ادا کرنا چاہیے کہ ان ہی کے عمل پر حال و مستقبل کے معاشرہ کی تعمیر و اصلاح منحصر ہے۔ رسوم و بدعات کی عملاً مخالفت کرنے والے نوجوانوں کی ہمت افزائی ہونی چاہیے تاکہ دوسرے نوجوانوں کو حوصلہ ملے۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی مکمل صورت گری ہمارا انفرادی عمل بھی ہونا چاہیے اور اجتماعی عمل بھی۔

صداقت حسین (ہزاری باغ)
متعلم عربی ہفتم جامعۃ الفلاح

اسلامی انقلاب کا راستہ

آج پوری مسلم دنیا میں کم و بیش ہر جگہ بیداری کی لہر محسوس کی جا رہی ہے اور جو لوگ بیدار ہو رہے ہیں وہ یہ سوچ کر شرمندہ ہیں کہ وہ بہت دنوں تک خواب غفلت میں رہے اور جلد از جلد اس کی تلافی کر لینا چاہتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ یہ خواہش بجائے خود بہت اچھی ہے لیکن عجلت میں صحیح طریقہ کار سے ہٹ کر کسی نے ہتھیار اٹھا رکھا ہے کسی نے فرقہ قائم کر لیا ہے اور کوئی الیکشن کے ذریعہ اسلامی انقلاب برپا کر دینا چاہتا ہے ضرورت ہے کہ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس بات پر غور کیا جائے کہ وہ کونسا طریقہ کار ہے جس کو اپنا کر حکومت الٰہیہ یا خلافت اسلامیہ قائم کی جا سکتی ہے اور دنیا کو امن و آشتی اور اسلامی نظام کے فیوض و برکات سے مالا مال کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اسلامی حکومت یا خلافت داعی گروہ کو بطور انعام ملتی ہے اور یہ انعام جس گروہ کو ملتا ہے اس کے کچھ صفات ہیں جنہیں قرآن نے صاف صاف بیان کر دیا ہے اگر وہ صفات کسی گروہ کے اندر موجود ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس گروہ کو اپنے فضل و انعام سے محروم کر کے باطل کو اقتدار بخشش دے آج باطل جو کرسی اقتدار کا مالک نظر آرہا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اس زمین پر کوئی ایسا گروہ موجود نہیں ہے جو پورے طور پر حق کا علمبردار اور ترجمان ہو ورنہ باطل کی کیا مجال کہ حق آجائے اور وہ باقی رہ جائے — (قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا)

اور خالق کائنات بھی یہی چاہتا ہے کہ حق پرستوں کو غلبہ نصیب ہو اور باطل کی پسپائی ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو کائنات کا وجود ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے "ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہے اگر ہم

کو کوئی کھلونا بنانا ہوتا اور بس یہی کچھ ہمیں کرنا مقصود ہوتا تو اپنے ہی پاس سے کر لیتے مگر ہم تو حق کے ذریعہ باطل کو چوٹ لگاتے ہیں پس وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے دم توڑ دیتا ہے۔ (سورہ انبیاء)

اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے زور سے حق دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار معلوم ہو۔ (الانفال)

یہ اللہ کی صفت رہی ہے کہ وہ حق کے علمبرداروں کو عزت و غلبہ عطا فرماتا ہے اور یہ چیز لازمی ہے (ألا إن حزب الله هم الغالبون) (وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين) (فأيدنا الذين آمنوا على عدوهم فاصبحوا ظاهرين) یعنی "یاد رکھو اللہ کی پارٹی ہی غالب ہو گی" "تم ہی سربلند ہو اگر تم مومن ہو" "اور ہم نے دشمنوں کے مقابلہ میں مومنین کی تائید کی"

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ عزت و غلبہ کس بات کا انعام ہوتا ہے؟ یہ انعام دراصل "بندگی رب" کی دعوت کا ہوتا ہے اور یہ دعوت اس حد تک ہو کہ ہر عاقل و بالغ اسے خوب سمجھ رہا ہو اور جو لوگ اس کا انکار کر رہے ہوں وہ ناسمجھی یا غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں بلکہ سمجھتے بوجھتے محض غرور و پندار کے نشے میں دھت ہو کر کر رہے ہوں اور اس قدر واضح انداز میں لوگوں تک بندگی رب کی دعوت پہنچا دینے کو قرآن کی اصطلاح میں بلاغ مبین کہتے ہیں سورہ نور کی آیت ۵۵ میں "وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ" کے بعد یہ آیت آئی ہے "وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا"

وعدہ کر لیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کئے کہ ان کو زمین میں یقیناً اقتدار بخشے گا جیسا کہ گذشتہ لوگوں کو بخشتا رہا ہے اور اس دین کو جما دیگا جس کو ان کے لئے اس نے پسند کر لیا ہے۔ اور ان کی اس خوف کی حالت کے بعد انہیں امن عطا کرے گا اور وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ

ٹھہرائیں گے۔

مندرجہ بالا آیات سے چار اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلی بات تو یہ کہ خلافت اللہ کا وعدہ ہے دوسری یہ کہ وعدہ اس وقت پورا ہوگا جب فصل بلاغ مبین انجام دے دیا گیا اور تیسری بات یہ کہ وعدہ جن لوگوں سے ہے ان کے کچھ صفات ہیں جو آیت کے اندر بیان کر دی گئی ہیں آئندہ سطور میں ہم انہی باتوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور چوتھی چیز یہ کہ اللہ کا یہ وعدہ دراصل کوئی نیا وعدہ نہیں ہے جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں اور کما استخلف الذین من قبلہم سے بھی واضح ہے اور یہ خلافت خلق کو رب کی طرف مکمل طور پر بلانے کا ثمرہ اور انعام ہے جیسا کہ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی سورہ نور کی مندرجہ بالا آیت سے پہلے کی آیت کی وضاحت کرتے ہوئے جو کچھ فرماتے ہیں میں یہاں پر اس کا ایک حصہ نقل کرتا ہوں "تمہاری شرارت و سرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عند اللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے ہیں آگے اطاعت رسول کے بعض ثمرات بیان فرماتے ہیں جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ۔

مفسر قرآن حضرت مولانا امین احسن اصلاحی مندرجہ بالا۔ آیت ۵۵ ہی کے سلسلے میں جو کچھ لکھتے ہیں اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے۔

"ہم رسولوں کے باب میں اس سنتِ الٰہی کا حوالہ بار بار دے چکے ہیں کہ رسول اور اس کے پیروؤں کے لئے اس دنیا میں غلبہ لازمی ہے رسول کے اتمام حجت کے بعد اس کے جھٹلانے والے لازماً تباہ کر دیے گئے اور قیادت و سیادت کی باگ ڈور ان کے بعد ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو رسول پر ایمان لائے"

اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے

مندرجہ ذیل آیات سے بھی یہ وضاحت ہوتی ہے کہ مومن کا کام اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے قربان ہو جانا ہے۔ غلبہ دینا اللہ کا کام ہے۔ مومن کے نزدیک تو اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ صف میں فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۔ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ

(سورۃ الصف ۹ تا ۱۳)

وہی ہے جس نے اپنا رسول بھیجا ہدایت اور دین حق کیساتھ تاکہ وہ دین حق کو تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار معلوم ہو۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں جان و مال لگا دو یہی تمہارے لئے بہت بہتر ہے اگر تم جانو وہ تمہارے گناہ بخش دیگا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی اور بہترین قسم کی رہائش گاہیں عطا کریگا جو عدن کی جنتوں میں ہونگی یہ ہے بڑی کامیابی اور ایک اور چیز بھی ملے گی جس کے تم آرزومند ہو یعنی اللہ کی جانب سے نصرت اور فتح جسمیں اب کچھ دیر نہیں اور اسکی بشارت سے مومنین کو دے دو۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ مندرجہ بالا آیات کی تشریح اس طرح کرتے ہیں، "یعنی اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے لیکن تمہارا فرض یہ ہے کہ ایمان پر پوری طرح مستقیم رہ کر اس کے راستے میں جان و مال سے جہاد کرو، یہ وہ سوداگری ہے جسمیں کبھی خسارہ نہیں، دنیا میں لوگ سینکڑوں طرح کے بیوپار

لیے تو تجارتی لیتے ہیں اور اپنا کل سرمایہ اسمیں لگا دیتے ہیں محض اس امید پر کہ اس سے منافع حاصل ہونگے اور اس طرح وہ اس امال گھٹنے اور تلف ہونے سے بچ جائیگا۔ اور وہ بات خود اور اس کے اہل و عیال تنگ دستی و افلاس کی تلخیوں سے محفوظ رہیں گے، لیکن مومنین اپنے جان و مال کا سرمایہ اس اعلیٰ تجارت میں لگائیں گے تو صرف چند روزہ افلاس سے نہیں بلکہ آخرت کے دردناک عذاب اور تباہ کن خسارے سے مامون ہو جائیں گے۔ اگر مسلمان سمجھے تو یہ تجارت دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر ہے جس کا نفع کامل مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا۔ اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے؟

یعنی اصل اور بڑی کامیابی تو وہ ہی جو آخرت میں ملے گی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت کوئی چیز نہیں لیکن دنیا میں بھی ایک چیز جسے تم طبعاً محبوب رکھتے ہو، دی جائیگی وہ کیا ہے۔ نصر من اللّٰہ و فتح قریب (اللہ کی طرف سے ایک خصوصی امداد جلد حاصل ہونے والی فتح و ظفر جن میں سے ہر ایک دوسرے کیساتھ چولی دامن کا تعلق رکھتی ہے) دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ کیسی صفائی سے پورا ہوا اور آج بھی مسلم قوم اگر سچے معنی میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ پر ثابت قدم ہو جائے تو یہی کامیابی انکی قدم بوسی کیلئے حاضر ہے"۔

خلافت اسلامیہ کے حقدار کون لوگ ہیں؟

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ قیادت وسیادت، دعوت و تبلیغ اور اتمام حجت کے نتیجے کے طور پر اللہ کی جانب سے نوازش و انعام ہے تو پھر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ یہ فرائض ادا کئے بغیر ہی کہیں ہم اس انعام کے امیدوار تو نہیں بن بیٹھے ہیں؟ اگر ہیں تو ہماری نادانی ہے کیونکہ انعام و اکرام خواہ کوئی بھی کرے خوش ہو کر کرتا ہے نہ کہ یونہی ہر مانگنے والے پر مہربان ہو جاتا ہے خواہ وہ مستحق ہو یا نہ ہو اور جب ایک عام انسان سے اس قسم کی توقع نادانی ہے تو پھر اس

کی نادانی میں کیا شبہ جو اللہ سے اس قسم کی بے جا امیدیں وابستہ کرے۔ غلام کو چاہیے کہ وہ اپنی ڈیوٹی بجا لائے۔ مالک کی جب مرضی ہوگی شرف قبولیت بخشے گا اور انعام و اکرام کرے گا۔ اس غلام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو اپنی ڈیوٹی تو ادا کرتا ہی نہیں اور آقا سے انعام و اکرام کی امیدیں لگائے بیٹھا ہے اور مطالبات کئے جا رہا ہے حالانکہ انعام و اکرام امیدیں وابستہ کرنے اور مطالبات کرنے سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے اس معیار مطلوب کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے جس پر انعام و اکرام کا وعدہ ہے۔

سورہ نور کی جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے اس میں ان نمایاں صفات کا بھی تذکرہ کیا ہے جن کے بغیر خلافت کا حصول ناممکن ہے۔

"وعد اللّٰہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات" سے صاف طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ صالح مومنین سے اللہ نے وعدہ کیا ہے جن کی صفت یہ بتائی ہے کہ "یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً" یہ میری ہی بندگی کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے

ان صفات کا حامل معاشرہ اگر وجود میں آجائے تو اللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر ہم اسمیں ناکام ہیں، ہمارے معاشرے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے خالی ہیں، اسلام اور اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں، فرائض اور عبادات سے اکثریت غافل ہے اور عملاً زندگیوں سے اسلام رخصت ہو چکا ہے، محض نسلی و قومی دعوائے اسلام ہے تو پھر ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے ہم ایک صالح معاشرہ وجود میں لائیں جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہو جو اللہ ہی کو آقا، مالک و حاکم اور رازق و رب جانتا ہو اور اسی کی رضا کی خاطر جینا اور مرنا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہو۔

جناب نعیم صدیقی صاحب "تحریکی شعور" میں مولانا مودودی کے حوالے سے دو ذیلی سرخیوں "اسلامی نظام اور اس کی مضبوط جڑیں" اور "چاہے کتنا ہی عرصہ لگ جائے" کے تحت رقمطراز ہیں۔

اسلامی نظام اور اس کی مضبوط جڑیں

"اصل بات یہ ہے کہ اسلامی انقلاب اس وقت تک مضبوط جڑوں سے قائم نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں کے خیالات تبدیل نہ کر دیے جائیں، جب تک کہ لوگوں کے افکار، لوگوں کے اخلاق، لوگوں کی عادات کو تبدیل نہ کر دیا جائے، اگر کسی قسم کے تشدد کے ساتھ یا کسی قسم کی سازشوں کے ساتھ یا کسی قسم کی دھوکہ بازیوں کے ساتھ اور جھوٹ اور اسی طرح کی مہم کے ساتھ انتخابات جیت بھی لئے جائیں تو اس طریقہ کا انقلاب کتنی دیر تک رہے گا؟ وہ اسی طرح اکھڑتا ہے جیسے اس کی کوئی جڑ ہی نہ ہو۔ آپ نے غلام محمد کا دور دیکھا ہے، جب وہ برسر اقتدار تھا تو لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ اس کو کوئی ہٹا نہیں سکے گا لیکن جب وہ ہٹا تو یہ معلوم ہوا کہ اس کی کوئی جڑ ہی نہ تھی۔ آج اس کا کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ اسی طرح سے جن لوگوں نے ناجائز ذرائع سے انتخابات جیت کر بظاہر جمہوری طریقے سے اقتدار حاصل کیا ہے ان کی بھی حقیقت میں کوئی جڑ نہیں ہے۔"

چاہے کتنا ہی عرصہ لگ جائے

"ہم یہ چاہتے ہیں کہ چاہے سو برس لگ جائیں، لیکن قوم کے ذہن کو تبدیل کیا جائے اس کی سیرت کو تبدیل کیا جائے، اس کے اخلاق کو تبدیل کیا جائے، اس کے سوچنے کے انداز کو تبدیل کیا جائے اور اس کو اس حد تک تیار کیا جائے کہ وہ اسلامی نظام کو چلانے کے قابل ہو سکے۔"

اسلامی معاشرہ کا وجود ناگزیر کیوں؟

مولانا مودودی علیہ الرحمۃ کی یہ بات کہ "قوم کو اس حد تک تیار کیا جائے کہ وہ اسلامی نظام کو چلانے کے قابل ہو سکے" کتنی پیاری اور مبنی بر حقیقت ہے۔ افراد کے

مجموعے کو معاشرہ، سماج اور سوسائٹی کہتے ہیں کوئی بھی نظام ہو اس کے چلانے کے لئے افراد کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو اس نظام کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہوں اور اسے محبوب رکھتے ہوں۔ اگر ایسے افراد کسی نظام کو حاصل نہیں ہیں تو وہ نظام دو چار قدم بھی نہ چل پائے گا کہ زمیں بوس ہو جائیگا اور اسلامی نظام تو خاص طور پر اپنے قیام کا ایک مقصد اور نصب العین رکھتا ہے جس کا قیام عبادت اور باعث رحمت ہے جس کی بنیاد ہی امن و آشتی اور صالحیت ہے۔ اگر یہ غیر صالح لوگوں کے ہاتھ میں دیدیا جائے تو اسلام کا لیبل تو ضرور ہوگا۔ کام سارا کا سارا غیر اسلامی ہوگا تو سوائے اس کے کہ اسمیں اسلامی نظام کی رسوائی ہو نیک نامی کا تو سوال ہی نہیں۔

مسلمانوں نے پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا لیکن وہاں آج تک اسلام نہ صرف یہ کہ نہ آسکا بلکہ ایک غیر مسلم ملک سے بھی زیادہ اجنبی اور ذلیل ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

اس لئے کہ پاکستان کا جو معاشرہ اور سماج تھا وہ اسلام سے بیگانہ اور مغرب کا دیوانہ تھا۔ اس نے زبان سے تو اسلام قبول کیا تھا لیکن ذہن و دماغ پر جس تہذیب و تمدن کا قبضہ تھا وہ مغربی تھا۔ ان کے نزدیک اسلام ناقابل عمل اور فرسودہ ہو چکا تھا اور مغرب کی ظاہری چمک دمک نے ان کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا تھا اور عملاً آج تک ان کے ہاں اسلام مردود اور مغرب محبوب ہے۔ آج ضرورت ہے کہ لوگ اپنے ملک میں ایسا معاشرہ تشکیل دیں جو اسلام کے علاوہ سب کو باطل سمجھتا ہو اور جس کے نزدیک صرف اسلام ہی دونوں جہاں کی نجات کا واحد راستہ ہو۔ جب اس معیار اور اس کردار کا معاشرہ وجود میں آجائے تو پھر کیا وجہ کہ اسلامی نظام کو اس معاشرہ میں مقبولیت حاصل نہ ہو اور وہ معاشرہ اسلامی نظام کو ٹھکرا دے؟

اسلامی نظام کا مقصد وجود

اسلامی معاشرے کی تعمیر کے بغیر اسلامی نظام کا

مقصد وجود ہی پورا نہیں ہو سکتا ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

"الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر" (الحج)	"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اگر زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں زکوٰۃ دیں معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں ۔"

جس سماج کے اکثر و بیشتر لوگ خود نماز و دعا سے غافل ہوں، زکوٰۃ نہ دیتے ہوں جو نیکیوں کا حکم نہ دیں جو خود منکرات میں ملوث ہوں اللہ اپنی زمین کا اقتدار ایسے لوگوں کو کیسے عطا کر سکتا ہے؟

اور بفرض محال اگر دے بھی دے تو کیا اسلامی نظام کے مقصد وجود کو یہ لوگ کسی بھی درجہ میں پورا کر سکتے ہیں؟ ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ اسلامی نظام کے مقصد وجود کو پورا نہیں کر سکتے بلکہ اسلامی نظام کی رسوائی کا سامان ہونگے۔
لہٰذا ایک اسلامی معاشرہ کی تعمیر اور افراد سازی کا کام اسلامی نظام کے قیام کی راہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر اسلامی نظام کے سنہرے خواب تو دیکھے جا سکتے ہیں پر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتے ۔

"کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا"

اقبال کا یہ مصرعہ اتنا عظیم ہے کہ تاریخ کا ہر ہر ورق اس پر شاہد ہے کہ صالح معاشرہ کا وجود کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بسا اوقات اس کے لئے صدیاں ناکافی ہوتی ہیں۔ اور انبیاء کرام نے بھی اس راہ میں صدیاں لگائی ہیں اور لوگ مہینوں اور سالوں میں چاہتے ہیں کہ بس پوری دنیا کو اسلام کا کلمہ پڑھا دیں اور اللہ کا کلمہ ساری دنیا میں بلند ہو جائے یہ خواہش اور تمنا بہت خوب ہے مگر افسوس کہ اس دنیا میں محض خواہشوں اور تمناؤں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ تن من دھن کی قربانی پیش

کرنی پڑتی ہے۔ ہو سکتا ہے اسمیں کئی نسلیں لگ جائیں۔ اور بظاہر کوئی نتیجہ سامنے نہ آسکے اور یہ بھی ممکن ہے کہ صدی اور نصف صدی کے اندر نتائج سامنے آجائیں۔ مومن کی اصل نظر موت کے بعد ہونی چاہئے اور وہاں کی کامیابی ہی اس کی اصل کامیابی ہے اور مومن کے لئے ناکامی کا کیا سوال؟ دنیا اس کے پیغام کو سنتی ہے تب بھی کامیاب ہے اور نہیں سنتی تب بھی کامیاب ہے۔ حضرت نوحؑ کی ۹۵۰ سالہ دعوتی زندگی میں داعی گروہ کے لئے معانی کا ایک جہاں پوشیدہ ہے جس کو پڑھ کر داعی کو ایک نئی روح اور ایک نئی زندگی نصیب ہوتی ہے اور اس کے عزائم جواں ہوتے ہیں ۔

پیارے نبیؐ نے خلافت کس طرح قائم کی؟

قرآن پاک اور پیارے نبیؐ کی سیرت کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ کے پیش نظر اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت کا نفاذ اول روز سے ہی تھا جسے ہم خلافت، حکومت الٰہیہ اور اسلامی نظام جیسے مختلف ناموں سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ لیکن اس حاکمیت کے نفاذ کے لئے آپ نے جو راہ اپنائی تھی "بندگی رب" کی دعوت کی راہ تھی میں آئندہ سطور میں پیارے نبیؐ کی زندگی سے چند جھلکیاں پیش کرتا ہوں۔ جس سے آپ کے طریقہ کار پر بھرپور روشنی پڑتی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ "بندگی رب" کی دعوت دیکر ہی آپ نے ایک صالح معاشرہ قائم کیا تھا پھر اللہ نے آپ اور آپ کے اصحاب کو خطرات سے نکالا اور مدینہ کی شکل میں ایک مضبوط پناہ گاہ عطا کی جو اسلام کے لئے ایک زبردست قلعہ ثابت ہوئی اور جہاں سے اسلام اس تیزی سے پھیلا کہ دنیا کے تین سب سے بڑے براعظموں ایشیا، یوروپ اور افریقہ پر چند سالوں میں چھا گیا۔ آج بھی امت مسلمہ اگر پیارے نبیؐ کے طریقۂ کار کو اپنائے تو فتح و نصرت ان کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہے۔ جیسا کہ جب آپ دعوتی فریضہ انجام دے رہے تھے اسی وقت دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ یہ دعوت وہ دعوت ہے جو بالآخر اپنے غلبہ و اقتدار کا لوہا دنیا سے منوا لیگی

بحیرہ بن فراس حضورؐ کے پیغام، حضورؐ کی شخصیت اور حضورؐ کی والہانہ سرگرمی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے کہا کہ "اگر یہ نوجوان میرے ہاتھ آجائے تو میں سارے عرب کو نگل جاؤں"۔ اس کی نگاہ حضورؐ کی دعوت کے منتہا اور کام کے نتائج تک پہنچ گئیں۔ معلوم یہ ہوا کہ حکومت واقتدار دعوت کا ثمرہ اور منتہا ہے۔ اس لئے بغیر دعوت واصلاح کے حکومت واقتدار محض ایک خیالی پلاؤ ہے اس کا حقیقت سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے۔

طنز وتمسخر اور مخالفت ومزاحمت کے سارے طوفان اٹھانے کے باوجود قریش کے سمجھدار لوگ دلوں کی گہرائیوں میں یہ ضرور محسوس کرتے تھے کہ یہ دعوت کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ اس سے بڑے بھاری نتائج پیدا ہونے والے ہیں۔ ایک بار عتبہ کو سرداران مکہ نے حضورؐ سے گفت وشنید کے لئے بھیجا۔ عتبہ نے حکومت، مال ودولت اور دنیاوی مفاد کی ہر ممکن پیش کش حضورؐ کے سامنے رکھی کہ کسی طرح اس انقلابی مہم سے آپ باز آجائیں۔ حضورؐ نے سورہ حٰم کی آیات سنائیں۔ عتبہ جو تاثر اس مجلس سے لیکر گیا۔ اس نے اس کے چہرے کا رنگ بدل دیا تھا۔ اس نے جا کر کہا کہ اس دعوت میں تو ایک نیا اور عظیم منظر ہے یہ ایک بہت بڑی تبدیلی کی حامل ہے۔ کوئی انقلاب آنے والا ہے۔ اور زندگی کا نقشہ زیروزبر ہو جائے گا۔ اس لئے اس نے مشورہ دیا کہ محمدؐ کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تم درمیان میں حائل نہ ہو۔ اگر اہل عرب نے اس شخص کا خاتمہ کر دیا، تو تم سستے چھوٹے اور اگر اسے غلبہ حاصل ہو گیا تو ملکہ ملکم وعزہ عزکم وکنتم اسعد الناس۔ اس کی سلطنت تمہاری سلطنت ہوگی اس کا اقتدار تمہارا اقتدار ہوگا، اور تم لوگوں میں سب سے بڑھ کر معزز ہو جاؤ گے۔ عتبہ تک اس حقیقت کو پا گیا کہ دعوت کے نتیجے میں پیارے نبیؐ اور آپ کے اصحاب کو اقتدار ملنے والا ہے، لیکن تعجب ان لوگوں پر ہے جو اسلامی معاشرہ کی

۱؎ سیرت ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۳۱۴

تعمیر اور دعوتی مرحلے طے کئے بغیر اقتدار کا حصول ممکن سمجھ بیٹھے ہیں۔ پیارے نبیؐ کی ایک گفتگو سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ کی پرخار اور دشوار گزار گھاٹی طے کئے بغیر اللہ تعالیٰ اپنی زمین کا اقتدار نہیں بخشتا اور اقتدار دراصل آخری مرحلہ ہے۔ ابتدائی مرحلہ تو دعوت ہی ہے۔

"ایک موقع پر جب تشدد کی چکی خوب گرم تھی، حضورؐ کے رفقاء نے اپنا دکھڑا بیان کیا اور دعا کی درخواست کی، حضورؐ نے پہلے تو انکو بتایا کہ اقامت دین کی جدوجہد کی گھاٹیاں کتنی کٹھن ہوتی ہیں۔ اور ماضی میں جن جوانوں نے یہ فرض ادا کیا، انھیں کیا کچھ پیش آیا اور پھر پورے وثوق سے مژدہ سنایا کہ خدا کی قسم اس مہم کو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے مرحلۂ تکمیل تک پہنچا کے گا پھر اس مرحلۂ تکمیل کی کیفیت بیان کی کہ "ایک سوار صنعا سے حضرموت تک سفر کریگا اور اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا"۔ ۱؎

جیسا کہ پیارے نبیؐ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اقتدار ابتدائی نہیں بلکہ آخری مرحلہ ہے۔ اب جسے ذرا بھی عقل ہو وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ابتدائی مرحلہ طے کئے بغیر انتہائی مرحلہ طے کرنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے آپکا جو طریقہ کار تھا اور جس تدریج کے ساتھ یہاں پر آپ پہنچے ہیں یہ بھی دراصل ہمارے غور کرنے کی چیز ہے۔ اور پیارے نبیؐ کی ذات گرامی تا قیامت پوری دنیا کے لئے اسوہ ہے۔ اس سے ہٹ کر یا انھیں چھوڑ کر کوئی ایسا ویسا انقلاب تو برپا کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی انقلاب برپا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی کے ذہن ودماغ کے کسی کونے میں بھی یہ بات ہو تو اسے کھرچ کر پھینک دینا چاہئے۔

قرآن پاک سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ "بندگی رب" کی دعوت بلا استثناء تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد رہا ہے۔ اور اس امت کا انتخاب بھی اسی

۱؎ محسن انسانیت صفحہ ۲۵ روایت ابی عبداللہ بن الارت اور ریاض الصالحین باب الصبر ملاحظہ ہو۔

مقصد عظیم کے لئے عمل میں آیا ہے "بندگی رب" کی دعوت ہی اس امت کے تمام مسائل کا حل اور فوز و فلاح کا واحد راستہ ہے۔

پیارے نبیؐ نے اپنی دعوت کا آغاز مکہ اور اطراف مکہ سے کیا آپ کی دعوت کے نتیجہ میں بہت تھوڑے سے لوگ آپ کے ساتھ آئے آپؐ اور آپ کے اصحاب کو ظلم و جبر کی بھٹی میں تپایا گیا یہاں تک کہ آپکے اصحاب کندن بن گئے اور ادھر یہ آواز مدینہ میں بھی پہنچ چکی تھی، وہاں بھی ایک معاشرہ وجود میں آیا پلنے اور بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے لوگوں نے آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی اور انہیں یقین دلایا اور وعدہ کیا کہ جہاں آپ کا پسینہ بہے گا وہاں ہم خون بہا دیں گے۔ اور یہ وعدہ محض زبانی نہیں تھا بلکہ عملی طور پر پورا ہوتے ہوئے دنیا نے دیکھا، غور کیجیے جاں نثاروں اور شیدائیوں کی جو ایک مضبوط تنظیم وجود میں آئی۔ مدینہ جیسا علاقہ نصیب ہوا اور پھر مدینہ ہی مرکز خلافت بنا۔ یہ سب آپؐ کی دعوتی سرگرمیوں کا ثمرہ نہیں تو اور کیا تھا؟

غزل

شفیع اللہ خاں راز آٹاوی

سہارے ناؤ کے ٹوٹے ہوئے ہیں
کنارے دیکھئے ٹوٹے ہوئے ہیں

غلط افکار سے ٹوٹے ہوئے ہیں
مقدس رابطے ٹوٹے ہوئے ہیں

جو آپس میں دلوں کو جوڑتے تھے
وہ رشتے پیار کے ٹوٹے ہوئے ہیں

سلامت پتھروں کی زندگی ہے
مگر سب آئینے ٹوٹے ہوئے ہیں

عجب دیوانگی کا سلسلہ ہے
خرد کے رابطے ٹوٹے ہوئے ہیں

اندھیرا بے حسی کا ڈس رہا ہے
عزائم کے دئے ٹوٹے ہوئے ہیں

نہیں ہے جذبۂ پرواز تجھ میں
کہ بال و پر ترے ٹوٹے ہوئے ہیں

پریشاں راز عکس زندگی ہے
دلوں کے آئینے ٹوٹے ہوئے ہیں

انجم آرا فلاحی، ریسرچ اسکالر
شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ۔

ترکی میں احیائے اسلام کی کشمکش

جدید ترکی میں اسلام اور مغربیت کی بڑھتی ہوئی کشمکش نے ایک نیا رخ لے لیا ہے۔ ترکی میں اسلام پسند سرگرمیوں کی تفصیلات دستیاب نہیں ہیں لیکن بین الاقوامی پریس سے چھن چھن کر جو خبریں آرہی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام پسندوں اور سیکولرزم کے علمبرداروں کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج نے غلبۂ اسلام کے امکانات روشن کر دیے ہیں۔ ایک طرف ترکی کی مغرب نواز حکومت ہے جو ناٹو (NATO) معاہدے کے رکن کی حیثیت سے عالم اسلام سے کاٹ کر ملک کو یوروپی برادری میں شامل کرنا چاہتی ہے۔ اور دوسری طرف ملک میں دینی شعائر کی پابندی کا بڑھتا ہوا رجحان ہے جسکی قیادت پروفیسر نجم الدین اربکان کی قیادت والی اسلام پسند ویلفیئر پارٹی کر رہی ہے۔ مغربی تجزیہ نگاروں کے مطابق ترک دن بدن دین اسلام کے پابند ہوتے جا رہے ہیں استنبول اور دیگر بڑے شہروں میں خواتین ٹخنوں تک برقع پہنے نظر آتی ہیں۔ پروفیسر اربکان کے مطابق انکی پارٹی کے ارکان کی تعداد بارہ برسوں میں دو چند ہو کر سولہ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ انہیں بدعنوانیوں سے عاجز شہریوں اور دیہات سے شہروں میں آباد ہونے والے افراد کی حمایت حاصل ہے۔ اسلامک ویلفیئر پارٹی کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ اس کے معاشی و معاشرتی عملی پروگرام ہیں۔ ترکی میں اسلامی روشن خیالی کی ایک نمایاں مثال البراس کمپنی ہے جو مسلم رفاہی اداروں کے طرز پر کام کرتی ہے۔ اور جس کا سالانہ کاروبار بیس کروڑ ڈالر مالیت کا ہے اس کمپنی کا اخبار "ترکیہ" سب سے زیادہ شائع ہونے والا اسلامی اخبار ہے یہ کمپنی ایک اسلام پسند ٹیلی ویژن

اسکیمیں بھی چلاتی ہے۔ اور مختلف تعمیرات، اسپتالوں کے قیام اور دوسرے فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے۔[1]

ترکی میں احیائے اسلام اور مغربیت کے درمیان بڑھتی ہوئی یہ کشمکش دراصل مصطفیٰ کمال پاشا کی پیدا کردہ ہے، جسے اس کے انقلابی اور جدید ترین اقدامات کی بدولت ترکی قوم نے "اتاترک" (بابائے ترک) کا خطاب عطا کیا تھا۔

جمہوریہ ترکیہ کا رقبہ ۷،۷۶،۱۱۹ کلومیٹر اور آبادی ۱۹۵۰ء کی مردم شماری کی رو سے ایک کروڑ تیرانوے لاکھ اڑتیس ہزار دو سو انہتر (۱۹۳۳۸۲۶۹) ہے جس میں تقریباً ننانوے فیصد مسلمان ہیں۔ ۱۹۲۸ء میں دستور اساسی میں ایک ترمیم منظور ہوئی جس کی رو سے جمہوریہ کا مذہب اب قانوناً اسلام نہیں رہا، ابتدائی تعلیم جبری اور مفت ہے ۳۴ء۹ فیصد باشندے نوشت وخواند کے قابل ہیں، مدارس سرکاری اور غیر سرکاری دونوں طرح کے ہیں غیر سرکاری مدارس پر وزارت تعلیم کی نگرانی ہے۔ تعلیم المعلمین کی درسگاہیں موجود ہیں فنی تعلیم کے لئے طبقۂ اعلیٰ کے کچھ مدارس ہیں، استنبول میں دو یونیورسٹیاں ہیں اور انقرہ اور ازمیر میں ایک ایک، مشرقی صوبجات اور طرابزون میں بھی یونیورسٹیاں کھل رہی ہیں۔[2]

مصطفیٰ کمال اتاترک (۱۸۸۱ء-۱۹۳۸ء) جمہوریہ ترکیہ کے بانی اور اس کے پہلے صدر سالونیکا میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام علی رضا آفندی اور والدہ کا نام زبیدہ خانم تھا ۱۸۸۶ء اور ۱۸۹۳ء کے درمیان آپ یتیم ہوگئے اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری والدہ کے کاندھوں پر آپڑی۔ والد کے انتقال پر اسی سال سالونیکا کے عسکری رشدیہ میں آپ نے داخلہ لے لیا اور ان کے ایک استاد مصطفیٰ آفندی نے انہیں کمال کا نام دیا۔ ۱۸۹۵ء میں عسکری رشدیہ کا نصاب مکمل کرکے مناسٹر کے فوجی کالج میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۹ء میں وہاں سے فارغ ہوکر استنبول کے مدرسہ حربیہ میں پیدل سپاہیوں کے کلاس میں داخل ہوگئے ۱۹۰۲ء میں استنبول کے مدرسہ حربیہ سے فارغ ہوکر فوجی اکیڈمی کے درجوں میں داخلہ لیا ۱۹۰۵ء

میں سکنڈ لیفٹیننٹ کی حیثیت سے فوجی اکیڈمی سے کامیاب ہوکر نکلے اور دمشق میں پانچویں فوج کی کمان سنبھالی۔

۱۹۰۶ء میں مصطفیٰ کمال نے اپنے ساتھیوں سے مل کر ایک خفیہ تحریک "وطن وحریت وجمعیت" قائم کی فوج میں ترقی ملتی رہی یہاں تک کہ ۱۹۱۱ء میں لیفٹننٹ کرنل اور ۱۹۱۷ء میں بریگیڈیر جنرل کے عہدے پر جا پہنچے ۱۹۱۹ء میں سیواس کانگریس کے صدر مقرر ہوئے۔ اور اسی سال اناطولیہ اور رومیلیہ کی جمعیت "مدافعۂ حقوق" کی ہیئت تنفیذیہ کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء میں جب استنبول پر اتحادی فوجوں نے قبضہ کر لیا تو مصطفیٰ کمال نے اس کے خلاف سارے ملکوں اور قومی انجمنوں سے احتجاج کیا اور انقرہ میں ایک نئی مجلس ملی کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ ۱۱ مئی ۱۹۲۰ء کو حکومت استنبول کی طرف سے مصطفیٰ کمال کیلئے موت کی سزا کا حکم جاری کیا گیا مگر سلطان ان کا کچھ بگاڑ نہ سکا اور ۱۵ اگست ۱۹۲۱ء کو بوک ملی مجلس نے مصطفیٰ کمال کو سپہ سالار اعظم مقرر کردیا۔ اسی سال بوک مجلس نے آپ کو مارشل اور غازی کا خطاب عطا کیا ۱۹۲۲ء میں دوملوپنار کے میدان جنگ میں آپ نے سپہ سالاری کے فرائض انجام دیئے اور یونانیوں کو زبردست شکست دے کر سمرنا میں داخل ہوگئے اور اس پر قابض ہوگئے

یکم نومبر ۱۹۲۲ء کو بوک مجلس نے مصطفیٰ کمال کی تجویز پر سلطنت کا خاتمہ کردیا اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمہوریہ ترکیہ کے پہلے صدر کی حیثیت سے آپ منتخب ہوئے اور اگلے سال ۱۹۲۴ء میں خلافت کی منسوخی کا اعلان کردیا، عثمانی شاہی خاندان کے افراد کو ترکی سے خارج کردینے کا فیصلہ بھی ہوا۔

مصطفیٰ کمال نے یوروپی تہذیب اختیار کرنے پر زور دیا اور قوم کی فلاح وبہبود کیلئے اس کو ضروری سمجھا اس کے لئے انہوں نے ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء کو جمہوریت کے آئین سے وہ دفعہ خارج کردی جس کی رو سے ترکی کا مذہب اسلام قرار دیا گیا تھا۔ اور محاکم شرعیہ (شرعی عدالتوں) کا بندوبست بوک مجلس نے علیحدہ کردیا

انہوں نے مدارس اور نصاب تعلیم کی اصلاح کی کوشش شروع کی تاکہ انہیں مغربی اصولوں پر تشکیل دیا جائے۔ پرانی وضع کے مدرسوں کو ختم کر دیا گیا غیر مسلم مدارس میں بھی مذہبی تعلیم کی ممانعت ہو گئی۔ ایک نیا قانون مدنیت نافذ کیا گیا جسکی رو سے عورتوں کا پردہ اٹھا دیا گیا اور انہیں مردوں کے مساوی حقوق دیئے گئے اور میونسپل بورڈ کے رکن منتخب ہونے کا حق عطا کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال نے عورتوں اور مردوں کے مشترکہ کلب اور اجتماعات کی بھی ترغیب دی۔

لباس کی اصلاح کی طرف توجہ کی گئی تو فوجی سپاہیوں کے لیے پتلون پہننا اور قاووق کے بدلے فیس کا استعمال لازمی قرار دیا گیا۔ مصطفیٰ کمال نے سب لوگوں کو یوروپی لباس پہننے اور برہنہ سر رہنے یا طربوش استعمال کرنے کا حکم دیا۔ بزرگوں کے مزاروں پر جانا اور دعا مانگنا ممنوع قرار دیا گیا۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء کی ایک قرارداد کی رو سے سب تکیوں اور زاویوں کو ختم کر دیا گیا اور پیری مریدی کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔

۲۴ ستمبر ۱۹۳۴ء کو قومی مجلس کیطرف سے غازی مصطفیٰ کمال کو اتا ترک کا خطاب دیا گیا۔ ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء کو اتا ترک کی وفات ہو گئی۔

مصطفیٰ کمال نے ہجری اور رومی تقویم منسوخ کر دی اور اس کی جگہ مسیحی تقویم رائج کی۔ رسم الخط کو عربی حروف سے لاطینی حروف میں تبدیل کیا۔ جمعہ کے بجائے اتوار کو چھٹی کا دن قرار دیا۔ قرآن مجید کا ترکی زبان میں ترجمہ اور ۱۹۳۱ء سے اذان، نماز، دعا وغیرہ ترکی زبان میں پڑھنے کا فیصلہ سنایا گیا۔ مصطفیٰ کمال نے اقتصادی اصلاحات کیطرف بھی توجہ کی وہ سرمایہ داری کے خلاف تھے لیکن ملک کی فلاح و بہبود کے لیے غیر ملکی سرمایے کی امداد کو ضروری اور بے ضرر سمجھتے تھے۔

قدیم و جدید کی اسی کشمکش میں ترکی میں ایک طرف علماء کا وہ گروہ تھا جو نئے تقاضوں اور جدید تبدیلیوں سے ناواقف تھا۔ اس گروہ نے

سلطان سلیم ثالث (۱۷۸۹ء — ۱۸۰۷ء) اور اس کے جانشین سلطان محمود دوم (۱۸۰۸ء — ۱۸۳۹ء) کی نئی فوجی تنظیمات اور جدید اصلاحات کی بھی مخالفت کی جو انہوں نے ترکی کو عسکری و علمی لحاظ سے یورپ کی ابھرتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں کھڑا کرنے کیلئے نافذ کی تھیں۔ اور دوسری طرف جدید تعلیم گاہوں کے وہ فضلاء تھے جن کی نشوونما دین بیزاری، علمائے دین کی تحقیر، مغربی تہذیب و تمدن سے عقیدت اور مادی افکار و رجحانات کے سامنے مکمل سپر اندازی کے ماحول میں ہوئی تھی۔ اس نئی نسل کی قیادت "اتحاد و ترقی" کے ارکان کے ہاتھوں میں تھی جنکی ثقافت نہ گہری تھی اور نہ وسیع۔ ان لوگوں کے بارے میں مشہور ترک خاتون خالدہ ادیب خانم یوں تبصرہ کرتی ہیں۔

"اتحاد و ترقی کے نوجوان ترک جو بڑے درجہ کے سرکاری ملازم یا فوجی افسر تھے ابتداً ان میں ایک بھی شخص نہ تھا جو اعلیٰ علمی قابلیت رکھتا ہو اور تحلیل و تنقید سے کام لیکر پرانے اور نئے زمانہ کے فرق کو کہہ سکے۔ مگر یہ لوگ جمہور سے زیادہ قریب اور خالص دیسی پیداوار تھے ان میں زیادہ تعداد مقدونیہ کے باشندوں کی تھی جو واقعیت پسندی اور بے رنگی میں مشہور ہیں۔ اور اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ اس لیے گو وہ اعلیٰ مقصد رکھتے تھے مگر ہر طرح کے وسائل بے تکلف اختیار کر لیتے تھے۔" [3]

جدید ترکی کی فکری و ذہنی تعمیر میں ضیاء گوک الپ اور نامق کمال کے افکار و نظریات کا بڑا دخل ہے جنہوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ترکی کو اپنے ماضی قریب سے علیحدگی اور خالص قومی اور مادی بنیادوں پر تعمیر و تشکیل جدید کی دعوت دی۔ ضیاء گوک الپ [4] نے وہ فکری اساس اور جدید نقطہ نظر مہیا کیا جس پر مذہبی و اصولی حیثیت سے اسی جدید ریاست اور جدید معاشرہ کی بنیاد رکھی گئی۔

ترکی کے پیش رو مفکر نامق کمال [5] نے مغربی علوم و ثقافت سے استفادے کی زیادہ متوازن دعوت دی اس کے افکار و نظریات نے مغرب سے ان شعبوں

میں استفادہ کی راہ ہموار کی جس کی وجہ سے مغربی قوموں کو ترقی، فوقیت اور فارغ البالی حاصل ہوئی ہے۔

ناموق کمال کے بارے میں برنارڈ لوئیس نے لکھا ہے کہ "وہ اپنی آزاد خیالی اور حب الوطنی کے باوجود ایک پرجوش مسلمان تھا وہ اپنی پوری زندگی میں شدت کیساتھ مسلمانوں کے روایتی اقدار و عقائد سے وابستہ رہا ہے اس نے [illegible] "تنظیمات" کے رہنماؤں پر بڑی تیز و تند تنقید کی کہ وہ قدیم اسلامی روایات کے تحفظ میں ناکام رہے اور انہوں نے یورپ سے جدید خیالات اور اداروں کو درآمد کیا۔"(۶)

"لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ناموق کمال کی متوازن فکر اور معتدل دعوت کے مقابلے میں ضیا گوک الپ کے افکار و نظریات نے مصطفیٰ کمال اتاترک کو زیادہ متاثر اور مسحور کیا۔ کمال اتاترک نے اسلام اور عالم اسلام کے خلاف جتنے اقدامات کیے اور ترکی کو ایک ترقی پسند معاشرہ بنانے میں جتنی محنت اور دوڑ بھاگ کی اس کے باوجود آج ترک قوم کا اسلام سے رشتہ مضبوط و مستحکم ہوتا جا رہا ہے اور اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ترکوں کے علاوہ اگر کوئی دوسری قوم ہوتی تو اس کا رشتہ اسلام اور اپنے ماضی سے کٹ چکا ہوتا اور اسلامی دنیا میں ایک دوسرے اسپین کا تجربہ ہوتا۔"(۷)

حواشی و تعلیقات

(۱) روزنامہ قومی آواز، ۲۸ دسمبر ۱۹۹۳ء

(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ج ۶، طبع اول ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء ص ۲۵۹۔ تفصیل کیلئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (انگریزی) ۱۹۶۵ء، جلد ۲۲ ص ۲۲۱ تا ۲۲۴

(۳) خالدہ ادیب خانم "ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش" جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، ص ۹۰۔

(۴) ضیا گوک الپ کی ولادت دیار بکر میں ۱۸۷۵ء یا ۱۸۷۶ء میں ہوئی اس نے اپنے چچا کی مدد سے متفکرین اسلام کا مطالعہ کیا اور اسکول کی طالب علمی کے زمانے میں ناموق کمال، ضیا پاشا، احمد مدحت آفندی وغیرہ کے مضامین بھی پڑھے ۱۸۹۶ء میں وہ قسطنطنیہ گیا اور وہاں اسے وظیفہ مل گیا دہیں وہ انجمن اتحاد و ترقی کا رکن چن لیا گیا

۱۹۰۹ء میں ضیا نے جابرانہ نظام کے خلاف بغاوت کی ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی کے بعد اس نے دو اخبارات جاری کئے۔ سلونیکا میں قیام کے بعد وہ ایک قوم پرست لیڈر بن گیا ۱۹۱۵ء میں استنبول یونیورسٹی میں علوم عمرانیہ کا استاذ مقرر ہوا ۱۹۲۲ء میں وہ ہیئت تالیف و ترجمہ کا صدر نامزد ہوا۔ وہ مصطفیٰ کمال پاشا کا پرجوش حامی تھا۔ ۱۹۲۳ء میں جو پارلیمنٹ منتخب ہوئی اس میں وہ دیار بکر کا نمائندہ تھا۔ ۱۹۲۴ء میں ۴۸ یا ۴۹ سال کی عمر میں اسکا انتقال ہوا

(۵) ناموق کمال ۱۸۴۰ء میں RHODOSTO میں پیدا ہوا وہ ایک خوشحال اور امیر خاندان کا فرد تھا۔ گھر پر عربی، فارسی اور فرنچ کی تعلیم پائی سترہ سال کی عمر میں حکومت کی ملازمت میں داخل ہوا۔ وہ نوجوانی میں ترکی کے مشہور مفکر اور محب وطن رہنما ابراہیم شناسی (۱۸۲۶ء - ۱۸۷۱ء) سے متاثر ہوا اور ان کے مشہور رسالہ "تصویر افکار" کی ادارت میں شامل ہو گیا۔ ۱۸۶۵ء میں جب شناسی نے فرانس میں پناہ لی تو اس نے اس رسالہ کی ادارت سنبھالی۔ اور ایک سیاسی اخبار نویس اور مقالہ نگار کی حیثیت سے نمایاں ہوا، اپنے جرأت مندانہ خیالات اور مضامین کی پاداش میں ۱۸۶۷ء میں اسے بھی ترک وطن کرنا پڑا۔ اس نے جلاوطنی کے تین سال لندن، پیرس اور ویانا میں بسر کئے۔ وہاں اس نے جدید قانون اور اقتصادیات کا مطالعہ کیا ۱۸۷۱ء میں ترکی واپس ہوا اور اپنے شہرۂ آفاق ڈرامہ "وطن" کے نتیجے میں وہ قبرص جلاوطن کر دیا گیا ۱۸۷۶ء میں سلطان عبدالعزیز کی معزولی کے بعد واپس ہوا لیکن پھر جلد ہی معتوب ہوا اور اپنی زندگی کے آخری سال نظربندی یا جلاوطنی میں گزار کر ۱۸۸۸ء میں وفات پائی۔

(۶) برنارڈ لوئیس THE EMERGENCE OF MODERN TURKEY (جدید ترکی کا ظہور) ص ۱۳۲، ۱۳۸

(۷) تفصیل کے لیے دیکھئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت

بقیہ صفحہ ۳۳ پر

سید زاہد اصغر فلاحی

جدید مسائل

علامہ یوسف القرضاوی سے کون واقف نہیں۔ ان کی گراں قدر علمی و تحقیقی تصنیفات ان کے اعلیٰ و ارفع اور بے حد متوسط و معتدل افکار کا آئینہ ہیں۔ ان کا شمار ان قد آور شخصیات میں ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو انکی رائے کو سارا عالم اہمیت دیتا ہے۔ قطر ٹیلی ویژن پر ہر ہفتہ جمعہ کے دن ان کا ایک پروگرام ہوتا ہے جس میں وہ پوچھنے والوں کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ ان کے یہ جواب کتاب کی صورت میں مرتب ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

ذیل میں انکی کتاب "الفتاوی المعاصرۃ" سے ایک مختصر اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

سوال:۔ ماہرین فلکیات دعوی کرتے ہیں کہ زمین سورج کے ارد گرد گھومتی ہے اور سورج اپنے مرکز پر ٹھہرا ہوا ہے۔ درایں اثنا قرآن کی رو سے زمین اور سورج دونوں ہی محو گردش ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وسخر الشمس والقمر کل	اور اس نے سورج اور چاند کی تسخیر کی
یجری الی اجل مسمی۔	ہر ایک متعینہ مدت کیلئے رواں دواں ہے

ان دونوں افکار میں تطابق کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ رواں صدی اور اس سے قبل بھی ماہرین فلکیات دعوی کرتے رہے ہیں کہ سورج اپنے مرکز پر ثابت و قائم ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے۔ ان کا یہ نظریہ قرآنی نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔ قرآن نے متعدد آیات میں سورج کی گردش کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

والشمس تجری لمستقر لها	اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف رواں دواں ہے

ذلک تقدیر العزیز العلیم	یہ اس ہستی کی کارگزاری ہے جو بڑا قوی اور بڑا علم والا ہے

ماہرین فلکیات اب تک جو نظریہ پیش کرتے رہے اس نظریہ کی غلطی اب جدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کر دی ہے۔ جدید تحقیقات کی رو سے زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے اور سورج بھی اپنے محور پر گھوم رہا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کے مطابق خدا تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین میں میخوں کی طرح پیوست کیا ہے تاکہ زمین میں حرکت اور اضطراب پیدا نہ ہو سکے۔ پھر آخر کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ زمین متحرک ہے درآنحالیکہ اس کی حرکت کو ختم کرنے کے لئے پہاڑوں کو استعمال کیا گیا ہے۔

یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ پہاڑوں کی مثال یوں ہے جیسے ایک کشتی سمندر میں محو خرام ہے۔ سمندر کی طاقتور لہروں میں گھر کر ہچکولے کھاتی ہے۔ کسی نے کشتی کو ان ہچکولوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کشتی پر بڑی بڑی وزنی چیزیں رکھ دیں۔ اب کشتی ان وزنی چیزوں کے دباؤ کے باوجود رواں ہے۔ زمین و پہاڑوں کی مثال بھی کچھ یوں ہی ہے۔

سوال:۔ اسی طرح ماہرین فلکیات کا نظریہ یہ ہے کہ آسمان درحقیقت مختلف رنگوں کا مجموعہ ہے۔ ان رنگوں کے باہمی ملاپ سے جو رنگ سب سے آخر میں وقوع پذیر ہوتا ہے وہ ہے نیلا رنگ اور یہی وہ رنگ ہے جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت	کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا ہے
والی السماء کیف رفعت	اور آسمان کی طرف کہ کیسے اسے بلند کیا گیا؟

سوال یہ ہے کہ جب آسمان رنگوں کا مجموعہ ہے اور کوئی مستقل ٹھوس چیز نہیں تو پھر اس کی بلندی کی چہ معنی دارد؟

جواب:۔ درحقیقت قرآن کی اس آیت میں سرے سے کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ماہرین فلکیات کے نظریہ سے ٹکراتی ہے۔ اسی آیت میں نہیں بلکہ پورے

قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جو ٹھوس تحقیق پر مبنی جدید تحقیقات سے ٹکراتی ہو۔

ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ ان علوم جدیدہ کا احترام کریں جن کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہوتی ہے۔ اسلام نہ صرف یہ کہ انکی حمایت کرتا ہے بلکہ ہم مسلمانوں کو اس کی طرف پر زور دعوت بھی دیتا ہے تاہم افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان مغربی تہذیب و ثقافت کو تو فوراً ہضم کر لیتے ہیں لیکن ان کے علوم اور تحقیقات سے دور ہی دور رہتے ہیں۔ حالانکہ علم و ہنر کی شناخت نہ کسی وطن سے ہے اور نہ یہ کسی مذہب و ملت کی میراث علمی استفادہ کسی سے بھی کیا جا سکتا ہے قطع نظر اس سے کہ علم دینے والا کافر ہے یا مسلم

چنانچہ اگر ماہرین فلکیات تحقیق و مشاہدہ کے بعد آسمان کے سلسلہ میں یہ نظریہ قائم کرتے ہیں تو اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو قرآن کی تعلیمات سے ٹکراتی ہے بلکہ اس کے برعکس الحمدللہ قرآن میں ایسی بہت ساری آیات ہیں جن کی تصدیق بعد میں خود ماہرین فلکیات نے اپنی تحقیقات سے کی ہیں۔

سوال:۔ جدید سائنسی تحقیقات کی رو سے بارش دراصل اسی بھاپ کا نتیجہ ہے جو سمندروں اور دریاؤں سے اٹھتی ہے۔ لیکن قرآن کی رو سے بارش کا پانی آسمان کی جانب سے گرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ وانزلنا من السماء ماء

کیا ان دونوں نظریات میں ٹکراؤ نہیں ہے؟

جواب:۔ میرے محترم بھائی! ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "انزل من السماء ماء" یعنی خدا نے آسمان سے پانی برسایا۔ عربی زبان میں "السماء" کا مفہوم بلندی ہوتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے بلندی کی طرف سے پانی برسایا۔ اور حقیقت یہی ہے کہ بارش اوپر ہی کی طرف سے نیچے کو آتی ہے۔ یہ بارش اسی بھاپ کا نتیجہ ہوتی ہے جو سمندروں اور دریاؤں سے اٹھتی ہے۔ ہم جس زمین پر بستے ہیں اس کا دو تہائی حصہ پانی سے گھرا ہے۔ جب اس پانی پر سورج کی تند اور طاقت ور کرنیں پڑتی ہیں تو پانی کھول اٹھتا ہے اور پانی کا ایک حصہ بھاپ

بن کر اوپر کی جانب اٹھتا ہے۔ اوپر جا کر یہ بھاپ یا تو پہاڑ کی چوٹیوں سے ٹکراتی ہے یا پھر یخ بستہ فضاؤں سے اور دونوں ہی صورتوں میں یہ بھاپ بارش کی صورت میں زمین کی جانب گرتی ہے۔ یوں اگر غور کریں تو بارش کی بنیاد زمین ہے نہ کہ آسمان۔ یہی بات سورہ نازعات میں یوں بیان کی گئی ہے۔ "والارض بعد ذلک دحاھا۔ اخرج منھا ماءھا و مرعاھا"

زمین ہی سے زمین کا پانی نکالا۔ حالانکہ پانی کا بیشتر حصہ بارش کی صورت میں آسمان کی طرف سے آتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ بارش بھی زمین کا ایک حصہ ہے۔ قرآن سے قبل جاہلی شاعری میں بھی یہ تصور پایا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لفظ "نزل" کا مفہوم صرف نازل کرنا نہیں بلکہ پیدا کرنا بھی ہے جیسا کہ متعدد آیات میں اس کا یہی مفہوم ہے۔

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید — اور ہم نے ہی لوہے کو [illegible]

وانزل لکم من الانعام ثمانیۃ ازواج — اور خدا نے تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کئے۔

بقیہ:۔ ترکی میں احیائے اسلام ۔۔۔۔۔۔
اور مغربیت کی کشمکش، لکھنؤ ۱۹۸۷ء ص ۵۳۔ ۸۲
جدید ترکی کی عسکری و دستوری اصلاحات اور علماء کی مخالفت کو تفصیل سے سمجھنے کے لئے دیکھئے، کمال ایوبی، ۔۔۔ ؟؟
ترکی، ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ ۱۹۶۳ء ص ص ۴۱۔ ۱۶۵ لیکن حقیقی شخص مصنف نے حیرت انگیز طور پر مسئلہ کے ایک ہی رخ کو دیکھا ہے انہیں علماء کی مخالفت کے اسباب و محرکات پر نظر ڈالنے کا موقع نہیں ملا نیز جدید ترک بیداری کے محرکات اور قومی و دینی اثرات و عناصر کا بھی انہوں نے تجزیہ نہیں کیا ہے۔
ضیا گوک الپ کی زندگی، کارناموں اور افکار کے تفصیلی مطالعہ کیلئے دیکھئے سید سبط حسن، لائف اینڈ ورکس آف ضیا گوک الپ (انگریزی) ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ ۱۹۸۹ء۔

تعارف و تبصرہ

عبدالرشید تیمی فلاحی

نام: پیغام (سہ ماہی) خصوصی اشاعت: علماء سیمینار نمبر
جنوری تا مارچ ۱۹۹۳ء جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۱
سرپرست: عطاء الرحمن خاں چیف ایڈیٹر: محمد حسن حبیب فلاحی
ایڈیٹر: محمد ادریس فلاحی
ضخامت: ۶۴ صفحات سالانہ زر تعاون: ۴۰ روپے اس شمارہ کی قیمت: ۱۰ روپے
پتہ: الحرا ایجوکیشنل کونسل گھنٹہ گھر پوسٹ بکس نمبر ۴۸۹۶ کاٹھمنڈو، نیپال

اسلامی یوا سنگھ جو نیپال کے مسلم طلبہ اور نوجوانوں کی ملک گیر تنظیم ہے اور ابھی چند سالوں قبل اقامت دین کی خاطر وجود میں آئی ہے۔ یہ رسالہ انہیں کے ترجمان کی شکل میں پہلی بار منظر عام پر آیا ہے۔ یہ شمارہ انہیں کی طرف سے مدرسہ توحید الاسلام ملقیہ بھوری میں منعقد ہونے والے ایک علماء سیمینار کے مقالات وغیرہ کی تلخیص پر مشتمل ہے۔ اس سیمینار کا عنوان "امت مسلمہ نیپال اور حل" تھا۔ اس سیمینار میں ملک و بیرون ملک کے چند علماء اور مشاہیر نے شرکت کی تھی۔ اس سیمینار کے مقصد انعقاد کو صدر اسلامی یوا سنگھ نیپال محمد حسین شاہ صاحب کے درج ذیل کلمات سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

"ہمارے سامنے ایک اہم مقصد مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کا ماحول فراہم کرنا اور مسلمانان نیپال کے ملی مسائل کے حل کے لئے مشترکہ جد و جہد کی تشکیل بھی شامل ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کوشش یہ آل نیپال علماء سیمینار ہے"

مشمولات کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ الحمد للہ اپنے مقصد کے اعتبار سے یہ سیمینار انتہائی کامیاب رہا۔ نہ صرف اس پہلو سے کہ تمام ہی مکاتب فکر، اداروں اور تنظیموں کے نمائندے اس میں شریک ہوئے بلکہ اس پہلو سے بھی کہ نیپال کے تناظر

میں امت مسلمہ کے تمام ہی اہم مسائل زیر بحث آئے ان پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور متفقہ طور پر بہت سی اہم اور مفید قرار دادیں پاس ہوئیں۔ اگر ان کو عملی جامہ پہنایا گیا تو ان شاء اللہ جلد اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

جو مسائل زیر بحث آئے۔ ان میں چند اہم امور حسب ذیل ہیں۔

تعلیم، اتحاد، مکاتب فکر کے درمیان تعاون کی صورتیں، سماجی و معاشرتی مسائل اور ان کا حل، مسئلہ معاش، سیاسی پوزیشن اور لائحہ عمل، قیادت کا بحران، قادیانیت کا بڑھتا ہوا زور اور اس کا مقابلہ، نیپالی مسلمانوں کی تاریخی حیثیت، فریضہ دعوت و اصلاح وغیرہ۔

میری رائے میں نیپال کے تناظر میں دعوت حق کا کام کرنے والوں کے لئے یہ نمبر ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ جو وہاں کے ہر داعی حق کے پاس ہونا چاہئے۔

عمومی طور پر تمام ہی علماء کرام کے لئے یہ ایک خاصے کی چیز ہے جس کا انہیں ضرور مطالعہ کرنا چاہئے خصوصاً مولانا محیب اللہ صاحب ندوی ناظم جامعۃ الرشاد و مدیر "الرشاد" کا مقالہ نہایت بصیرت افروز ہے جس کا مطالعہ ہر عالم دین کو ضرور کرنا چاہئے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ مقالات کی تلخیص پر مشتمل ہے۔ لیکن مطالعہ کے درمیان بار بار یہ احساس پیدا ہوا کہ ضرورت سے زیادہ تلخیص کر دی گئی ہے اگر مقالات من وعن شائع کئے گئے ہوتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

بعض مقامات پر آیات وغیرہ کے ترجمے کھٹکے مثلاً صفحہ ۷ پر "واعتصموا بالله" کا ترجمہ کیا گیا ہے "اور اللہ ہی سے جنگل مارو" جو کسی طرح درست نہیں معلوم ہوتا۔

بعض الفاظ کی کتابت درست نہیں ہوئی ہے۔ مثلاً صفحہ ۲ پر "شیوا" لکھا گیا ہے جب کہ "شیوہ" ہونا چاہئے۔ اسی طرح صفحہ ۲۵ پر "چرچہ" لکھا گیا ہے جب کہ "چرچا" ہونا چاہئے وغیرہ۔

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

آزاد دینی مکاتب کے انسپکٹروں کا تربیتی کیمپ

جامعۃ الفلاح میں یکم تا ۱۴ جون ۱۹۹۴ء

اترپردیش فلاح عام سوسائٹی کی جانب سے آزاد دینی مکاتب کے معائنہ کنندگان کا تربیتی کیمپ ہونا طے ہے جس میں معائنہ کنندگان کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کے سلسلہ میں تربیت دی جائیگی۔ ملک کے مختلف حصوں سے علمائے کرام اور ماہرین تعلیم کی شرکت متوقع ہے۔ اسلام کا تصور علم، ہماری درسگاہوں کے مقاصد اور مسائل، معائنہ کی ضرورت و اہمیت اور اس کا صحیح طریقہ، اساتذہ کا علمی و فکری ارتقاء، خوش خطی کی اہمیت، مدارس کا ریکارڈ رکھنے کا صحیح طریقہ، اشارات سبق اور ان کی اہمیت، گھر کے کام کی اہمیت اور جانچ کا طریقہ، جسمانی تعلیم کی اہمیت، اسکاؤٹنگ کا تعارف، قومی تعلیمی پالیسی اور اس کے مضمرات، طریقہ تدریس، نمونے کے اسباق، تدریس میں امدادی سامان کی اہمیت، غیر مادری زبان کی تدریس، وغیرہ عنوانات پر اس کیمپ میں خطاب ہوگا۔

کچھ نئے ہم سفر

جناب ابوسفیان اصلاحی صاحب ایم اے (سیاسیات) ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ، دہلی، جناب محمد شعیب انصاری ایم اے معاشیات، بی ایڈ، ایم ایڈ علی گڑھ اور جناب انیس احمد صاحب فلاحی لیسانس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا تقرر شعبۂ عالی میں اور جناب حافظ مصطفےٰ احمد صاحب فلاحی (رانچی) جناب شاہ عالم صاحب فلاحی (اعظم گڑھ) اور جناب محمد حبیب صاحب انٹرمیڈیٹ (دہلی) کا تقرر شعبۂ ابتدائی میں عمل میں آیا ہے جبکہ جناب جاوید احمد صاحب بی اے، ڈی پی ایڈ۔ ندوہ سرائے اعظم گڑھ گیم ٹیچر اور جناب دانش اختر

صاحب ندوی ایم اے (عربی) (لکھنؤ) لائبریرین کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں ان سبھی حضرات نے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔

دو اساتذہ جامعہ سے سبکدوش

ہر چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں اپنی اپنی بولیاں بول کر اڑ جائیں گی۔ مولانا جلال الدین صاحب مفتاحی اپنے گھریلو حالات کی بنا پر جامعہ سے مستعفی ہوکر اپنے گھر بھاگلپور چلے گئے ہیں، اور جناب ماسٹر محمد انور صاحب رسول پور ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہونچ جانے کے بعد ریٹائر ہوکر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کے تئیں انکی خدمات کو شرف قبول بخشے۔

صباح الدین ملک فلاحی امارت شرعیہ پھلواری شریف میں

اساتذہ کی اعلیٰ تعلیم میں اضافہ کے پیش نظر جامعہ کی طرف سے موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ مختلف تربیتی اور تعلیمی کورس کی وہ تکمیل کرسکیں۔ جناب مولانا صباح الدین ملک فلاحی قاسمی جامعہ سے چھٹی پر قضا اور افتاء کے ایک تربیتی کورس کی تکمیل کیلئے امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار تشریف لے گئے ہیں۔

نئے جنریٹر

بجلی آئے دن غائب ہوتی رہتی ہے جس سے درس و مطالعہ میں نقصان ہوتا ہے۔ ایک جنریٹر تھا جو پرانا اور بار بار کام ختم شدہ تھا، دوسرے اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ تھا۔ لہذا چالیس چالیس K.V کے دو نئے جنریٹر کی فراہمی کا انتظام کیا گیا ہے۔ ایک طلبہ منزل، مطبخ اور مسجد کو بجلی فراہم کریگا، دوسرا حسن البنا منزل اور [illegible] قدیم جنریٹر کلیۃ البنات میں منتقل کیا جارہا ہے۔

سفر حج

سابق نائب ناظم جناب منشی محمد انور صاحب [illegible] ماسٹر ریاض احمد صاحب اور سبکدوش ہونے [illegible] محمد انور صاحب حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ پہونچ گئے ہیں۔

تعالیٰ ان کے حج کو قبول فرمائے اور ان وابستگان جامعہ کو بھی اس سعادت سے مشرف فرمائے جو ابھی تک اس گھر کے دیدار سے محروم ہیں۔

مولانا محمد عنایت اللہ صاحب سبحانی کو صدمہ

یہ لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آرہا ہے کہ ۱۲ مئی ۹۶ء کو استاذ گرامی مولانا محمد عنایت اللہ صاحب سبحانی کی رفیقۂ حیات اپنے اعزہ اور پسماندگان کو اچانک غم دیدہ اور سوگوار چھوڑ کر اپنے رب کے جوار رحمت میں پہونچ گئیں۔ وفات زچگی کے دوران ہوئی۔ چند گھنٹوں کے بعد بچی بھی ماں سے جا ملی۔ مرحومہ نیک سیرت، سلیقہ مند، محنتی اور جفاکش خاتون تھیں۔ بچوں کی تربیت پر خصوصی نگاہ رکھتیں۔ آخرت کا خوف اور اپنی ذمہ داری کا احساس دل و دماغ پر چھایا رہتا۔ ادھر کئی ماہ سے یوں محسوس ہوتا گویا وہ جلد ہی سفر آخرت پر روانہ ہونے والی ہیں اور اسی لحاظ سے تیاری کر رہی ہوں۔ خصوصاً آخری لمحات میں جس طرح توبہ واستغفار کے کلمات زبان پر جاری تھے، یہ ان کے خاص تعلق باللہ کی دلیل ہے۔ اپنی انتہائی عمر رسیدہ خوشدامن صاحبہ کی جس طرح انہوں نے خدمت کی یہ انہیں کا حصہ ہے۔ آخری ایام میں جب صحت زیادہ کمزور ہوگئی تو مولانا عنایت اللہ صاحب سے کہتیں مجھ سے والدہ کی خدمت بہتر طریقہ سے نہیں ہو پا رہی ہے اب میرے حصے کی خدمت بھی آپ ہی کو کرنی ہوگی۔ انکی اولاد میں محی الدین غازی، سمیہ جاوید اور رقیہ سبحانی جامعۃ الفلاح سے فضیلت پاس ہیں۔ بقیہ آٹھ یا تو زیر تعلیم ہیں یا بہت چھوٹے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

محمد مقیم فلاحی کو صدمہ

محمد مقیم فلاحی چاند پٹی (سہرا) اعظم گڑھ کے خالو جناب شفیق احمد صاحب ۱۲ اپریل ۹۶ء کو انتقال فرما گئے۔ مرحوم کافی ضعیف اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ مقیم فلاحی کے والد چونکہ باہر رہتے تھے اس لئے ان کی دیکھ ریکھ اور پرورش جناب شفیق احمد صاحب ہی نے کی تھی، یہی وجہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر انتقال سے قبل عزیزی محمد مقیم نے انہیں اپنا ایک بوتل خون بھی دیا تھا۔ اللہ مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر عطا فرمائے۔

دعائے صحت کی درخواست

مولانا طارق فاروق صاحب فلاحی، مولانا عبد الرحمٰن خالد صاحب فلاحی اور مولانا ولی اللہ سعیدی صاحب فلاحی صدر حلقہ ایس۔ آئی۔ او (یو۔ پی) کے والد حضرات عرصہ سے سخت بیمار ہیں۔ قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

غزلیں

ریاض احمد قاصد بستوی، جامعۃ الفلاح

پہ بیٹھے ہوئے منظر نہیں دیکھے جاتے
آئینہ خانوں میں پتھر نہیں دیکھے جاتے
حد بھی ہوتی ہے کوئی ظلم و تشدد کیلئے
ہم سے اب جلتے ہوئے گھر نہیں دیکھے جاتے
میری آنکھیں تو ندامت سے جھکی جاتی ہیں
ان کے بدلے ہوئے تیور نہیں دیکھے جاتے
دامن صبر نہ چھوٹ جائے کہیں ہاتھوں سے
اب تو نیزوں پہ سجے سر نہیں دیکھے جاتے
شمع نفرت کی ہر اک کرتا ہے روشن لیکن
امن کے تاج بھی سر پہ نہیں دیکھے جاتے
قتل و خون اور یہ نفرت کا دہکتا شعلہ
اے دشمن تیرے مقدر نہیں دیکھے جاتے
اب کسی کس کا لہو مانگ رہا ہے قاصد
سانحے ان سے پہ گلی کوچوں میں دیکھے جاتے

جمشید عالم زاہد، جامعۃ الفلاح

مہر و ایمان کے پرچم کو اٹھائے رکھنا
سر کو محبوب کے آگے ہی جھکائے رکھنا
لہو بہتا ہوا ندیوں کا سمندر دیکھو
میرے خوابوں کو مرے یار جگائے رکھنا
لٹ گئے جن کے فسادات میں گھر بار بھی
ایسے بے کس کو سدا دل سے لگائے رکھنا
کاٹے جاتے ہوں یہاں جیسے شجر کٹتے ہیں
کفر والو ذرا غیرت کو ستائے رکھنا
تنگ آجائیں کبھی مظلوم کی آہیں تم پر
مرے اللہ بلاؤں سے بچائے رکھنا
دیکھو ہر سمت تشدد کی ہوا چلتی ہے
اپنے دامن کو ہر اک طرح بچائے رکھنا
ڈرنا ہرگز نہیں تم راہ خدا میں زاہد
عزم و ہمت کو ذرا دل سے لگائے رکھنا